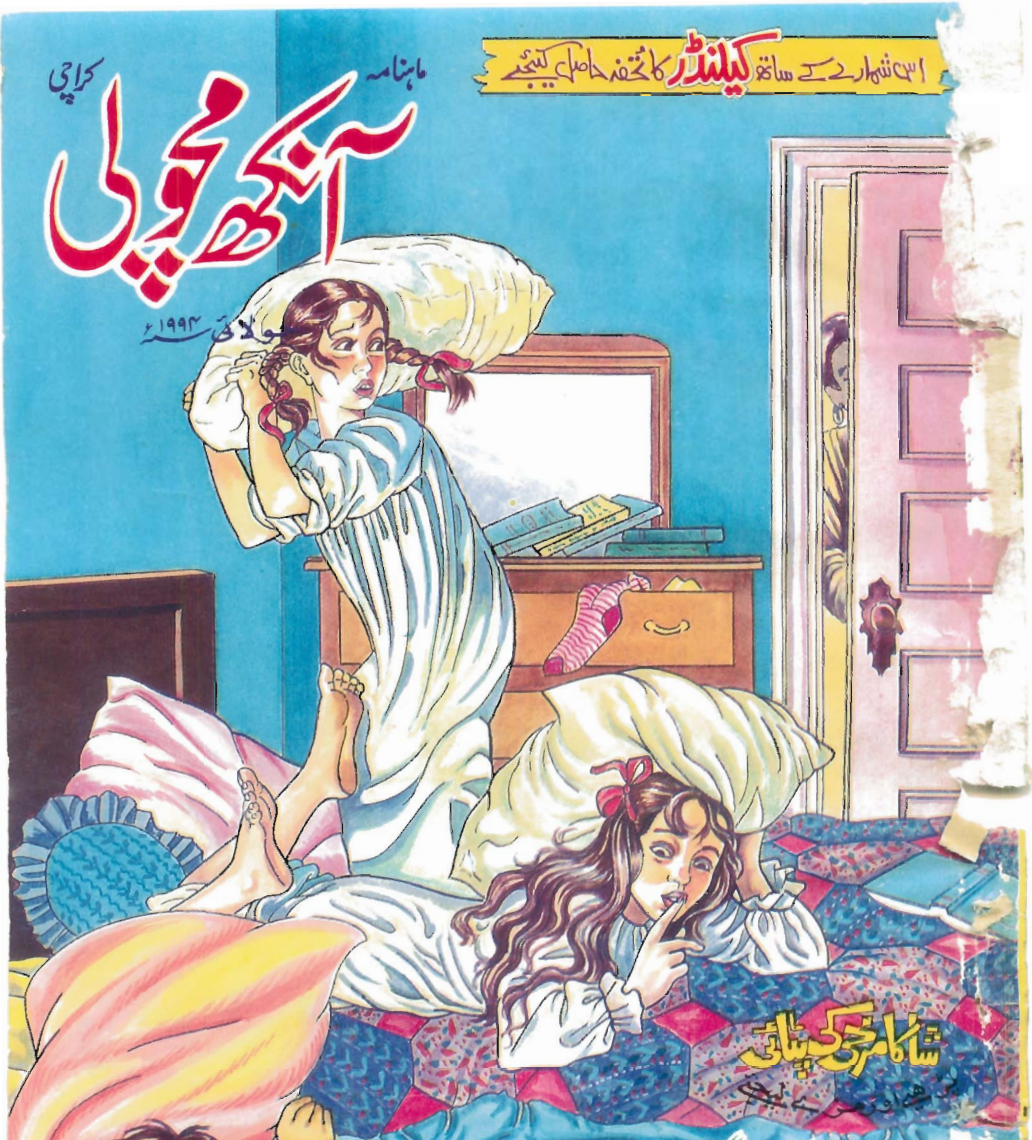

اس شمارے کے ساتھ کیلنڈر کا تحفہ حاصل کیجیے
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
جولائی ۱۹۹۴ء
شاکا مرغ کی پٹائی
ڈھے نے ہرن کو پورا نگل لیا
حیرت انگیز تصویری فیچر
سیم اکرم اور وقار یونس کرکٹ کی گیند کو کھرچ دیتے ہیں؟
پاکستانی فاسٹ بولروں پر الزام کا تحقیقی جائزہ

NAZ
DELICIOUS PAN MASALA
جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا .... بتادو نا
ناز
پان مصالحہ
ASHRAF PRODUCTS
P.O. BOX 3546, KARACHI-5 (PAKISTAN)
CABLE: "TWO-IN-ONE"

REPCOM

سات برس کے بعد

آنکھ مچولی کا خاص نمبر

انوکھے انداز میں، بہترین پیش کش کے ساتھ

ستمبر ۹۴ء میں
منظرِ عام پر آ رہا ہے

- دلچسپ پرتجسس کہانیاں
- مقبول شاعروں کی نظمیں
- آپ کی پسندیدہ شخصیتوں کے انٹرویو
- پڑھنے والوں سے مزید ادسروے
- رنگین تصویری فیچر
- دُوسرے سیاروں کے قصّے
- مہم جُوئی کے واقعات
- ہنستے ہنساتے تفریحی ڈرامے
- شکاریات کی دُنیا
- کھیل کے میدان
- گدگداتے ہوئے کارٹون
- کھلکھلاتے ہوئے لطیفے
- اور نمک پارے جو ہر دوسرے صفحے پر بکھرے ہوں گے

قہقہہ بھی، سنجیدگی بھی

حیرت بھی اور دہشت بھی

آپ بھی لکھیے

ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیا جائے گا

موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوگی

پورا رسالہ رنگ برنگی تحریروں، تصویروں اور نت نئے سلسلوں سے مزیّن ہوگا

تحریریں بھیجنے کا پتا : مدیرِ اعزازی آنکھ مچولی ۱۰ - پی آئی بی کالونی کراچی

ان سے تعاون کیجیے ان پر اعتماد کیجیے

وطن عزیز کے قریے قریے اور نگر نگر ہر ماہ باقاعدگی سے آنکھ مچولی پہنچانے کیلیے ہم نے ان اداروں کو اپنا باقاعدہ ایجنٹ مقرر کیا ہے

محمد حسین برادرز	کراچی	۷۷۲۴۱۲۶
سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۲
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد	۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	مُلتان	۴۳۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ	۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
سلمان برادرز	نواب شاہ	۲۴۱۴
سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان	۷۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاول نگر	
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
مولا بخش نیوز ایجنسی	مہران مرکز سکھر	
خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱
اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۲۸۸۹

آنکھ مچولی خریدنے کیلیے اپنی تجاویز اور مشوروں کیلیے

ان ناموں پر اعتماد کیجیے

خط وکتابت کے لیے — ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی نقیب

آنکھ مچولی

جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۱

محرم / صفر ۱۴۱۵ھ جولائی ۱۹۹۴ء

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

سرکولیشن منیجر
بابر فاروقی

مصور
مومن رحیم

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔
ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونیوالی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

قیمت ۱۰ روپے
۷ درہم ۷ ریال

فون: ۲۹۴۲۸۵۷

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۵-۱ پی آئی بی کالونی کراچی ۵ (۷۴۸۰۰)

ناشر: ظفر محمود شیخ - طابع: زاہد علی - مطبع: ادیب پرنٹنگ پریس ایم اے جناح روڈ کراچی

ڈاکیہ آیا آنکھ مچولی لایا

اگر آپ گھر بیٹھے آنکھ مچولی پڑھنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے سالانہ خریدار بنیئے

سالانہ ممبر شپ کے فائدے

96 روپے کی بچت ہوگی
بک اسٹال کے چکر لگانے سے نجات مل جائے گی

آنکھ مچولی کے 12 عام شمارے
اور 2 خاص شماروں کی سالانہ قیمت 236 روپے
لیکن سالانہ خریداروں کے لیے صرف 140 روپے
سالانہ خریدار بننے کے لیے 140 روپے کا منی آرڈر کر دیجئے،
آنکھ مچولی آپ کو گھر بیٹھے ایک سال تک ملتا رہے گا۔

منی آرڈر کرنے کا طریقہ

اگر آپ "آنکھ مچولی" بذریعہ وی پی منگوانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ایک خط لکھ دیجئے۔ ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے۔ یہ رسالہ آپ کے علاقے کا ڈاکیہ آپ تک پہنچائے گا۔ رسالے کے ساتھ ایک وی پی فارم ہو گا۔ اس فارم پر رسالے کا سالانہ چندہ یعنی 140 روپے لکھ کر رقم آپ ڈاکیے کے حوالے کر دیں گے۔ آپ کی ادا کی ہوئی رقم محکمہ ڈاک کے ذریعے دفتر آنکھ مچولی پہنچ جائے گی۔ جس کی رسید آپ کو بھیج دی جائے گی اور یوں ہر مہینے آپ کو پابندی سے رسالہ ملتا رہے گا۔ فرض کیجئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ رسالہ راستے میں کبھی گم نہ ہو اور وقت پر آپ کو ملتا رہے تو پھر آپ کو رسالہ رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانا چاہیئے۔ اس کی رقم 200 روپے ہے۔

اسے کہتے ہیں: مناسب دام بہت آرام

حسن ترتیب

سنہرے حروف	ادارہ	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
پروردگارِ عالم (نظم)	زاھدالحسن زاھد	۱۰
اے بُت میں تیرا پجاری نہیں ہوں	زبیر طارق	۱۱
دو بھائیوں کی لڑائی (نظم)	سیدہ افشاں افتخار	۱۸
سرحد کے اس پار	اشتیاق احمد	۱۹
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	علی حیدران	۲۵
نٹ کھٹ کی ایک کہانی	منیر احمد راشد	۲۸
بستہ ہے میرا وزنی (نظم)	عبدالقادر	۳۳
ریورس سوئنگ	بن یامین	۳۴
مزیدار گھونسلے	تصدق حسین کوثر	۳۹
شریر بلّی گھر میں نظر بند کر دی جائے	ادارہ	۴۲
اژدھے کا پنچ	خالد خلیل	۴۶
تم تو لڑکی ہو	احمد حاطب صدیقی	۴۸
آمنے سامنے	سلیم خالق	۵۳
ایک تھے جگری یار ہمارے (نظم)	محمد انوار احمد	۵۶
صحت کیسے بنتی ہے؟	نگہت آرا چوہان	۵۷
ہنستے ہنستے	لطائف	۵۹
ج سے جہاز	ایس ایم خالد	۶۵
عکس ادھورے کیجیے پورے	ادارہ	۶۶
ننھے میاں (نظم)	اظہار الحق	۶۹
زندگی کی واپسی	محمد عادل منہاج	۷۰
نورجہاں بیگم	سیّد مسعود حسن رضوی ادیب	۷۶
ندامت	فاروق حسن چانڈیو	۸۳
کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے (نظم)	محمد جاوید خالد	۸۶
سات بہنیں سات بھیڑیئے	حسن عسکری فاطمی	۸۷
بنام آنکھ مچولی	خطوں کے جواب	۹۵
ایک دن سانپ کی زندگی میں	سیّد عدنان یوسف	۹۹
شاکا مرخی کی پٹائی	نعیم مشتاق تنومی	۱۰۲
وہ کیا راز تھا	محمد عمر احمد خان	۱۰۸
قلم دوست	ننھی تحریریں	۱۱۵

سنہرے حروف

بادشاہ حکم کے عہدِ حکومت کے آغاز میں پانچ طلبا قرطبہ کے نواح میں ایک باغ کے پیڑ کے نیچے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ بات چیت جاری تھی۔ ایک لڑکا جو دیر سے گہری سوچ میں تھا معاً بول اٹھا۔

"دوستو! میری بات یاد رکھو! میں کسی دن اس ملک پر حکومت کروں گا۔" اس کے ساتھی طالب علموں نے ایک قہقہہ لگایا لیکن وہ لڑکا بدستور سنجیدہ رہا۔ اس نے کہا۔ "تم لوگ مجھے ابھی بتا دو کہ میرے برسر اقتدار آنے کے بعد کون کون سا عہدہ لو گے؟"

ایک طالب علم نے کہا۔ "مجھے بازار کا داروغہ بنا دینا۔ مٹھائیاں خوب کھانے کو ملیں گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "مجھے ملجبہ کا قاضی بنا دینا۔ وہاں کے انجیر کھاؤں گا۔ مجھے بہت مرغوب ہیں۔"

تیسرا بولا۔ "مجھے شہر کا حاکم بنا دینا۔ یہاں کے باغات بہت اچھے ہیں۔"

چوتھے نے کہا۔ "جب تم حاکم ہو جاؤ تو اپنے آدمیوں کو حکم دینا کہ مجھے شہد میں لتھیڑ دیں تاکہ مکھیاں مجھ پر آ کر بیٹھیں اور میرا منہ گدھے کی دُم کی طرف کر کے مجھے گدھے پر سوار کرانا اور قرطبہ کے بازاروں میں گشت کرانا۔"

"بہتر ہے۔ تم میں سے ہر ایک کی خواہش پوری ہوگی۔"

طویل القامت بھرے ہوئے جسم کا یہ پروقار طالب علم یمن کے ایک اچھے خاندان کا فرد تھا۔ اس کے آبا و اجداد طارق کی فوجوں کے ساتھ اسپین آئے تھے اور اس کا نام ابو امیر تھا۔ اس میں ذہانت، فراست اور ہمت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ابو امیر طاقت و اقتدار حاصل کرنے کا شدید جذبہ رکھتا تھا۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد ابو امیر اپنے مقاصد کے حصول میں منہمک ہوا اور ہزاروں رکاوٹوں کو راستے سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

آخر ایک دن وہ اسپین کا فرماں روا ہوا۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے المنصور کا لقب اختیار کیا اور اس قدر شان و شوکت سے حکومت کی کہ شاید ہی کسی بادشاہ نے کی ہو۔ بادشاہت پانے کے بعد المنصور اپنے ساتھی طالب علموں کو نہیں بھولا اس نے ان سب کو، جو جو کچھ انہوں نے مانگا تھا، دیا۔

پہلی بات

ان دنوں اسکولوں میں موسم گرما کی چھٹیاں ہیں اور آپ کے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔ جب اتنی ساری چھٹیاں ایک ساتھ مل جائیں تو وقت کو پر لگ جاتے ہیں اور وہ اڑنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اچانک معلوم ہوتا ہے کہ چھٹیاں بس ختم ہونے والی ہیں۔ اب آپ ذرا سوچنے بیٹھیے کہ پچھلے مہینوں کی چھٹیوں میں آپ نے کیا کیا؟ یہ چھٹیاں کس مشغولیت میں گزریں تو شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ سیر و تفریح اور کھیل کود کے علاوہ سارا وقت بیکار گزر گیا۔ ممکن ہے کچھ دوستوں نے دلچسپ کہانیوں اور رسالوں سے دل بہلایا ہو لیکن عام طور پر وقت فضول ہی برباد ہوا۔ ظاہر ہے چھٹیوں میں ہر ایک کی کچھ نہ کچھ مصروفیت ضرور ہوگی۔ کیونکہ دن رات کے ۲۴ گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ اگر ان گھنٹوں کا روزانہ کا ایک شیڈول بنالیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ کام کاج اور کھیل کود کے بعد بھی اچھا خاصا وقت بچ جاتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب آپ وقت کو قیمتی جان کر احتیاط کے ساتھ خرچ کریں گے۔

ہم میں سے بہت سے دوستوں کا خیال ہے۔ اور یہ بہت غلط خیال ہے کہ چھٹیاں تو بس ضائع کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ بھئی جب چھٹیوں کو ضائع کرنا ہی ہے تو اسے کیوں نہ کسی مفید کام میں لگایا جائے۔ جو وقت ضائع ہو جاتا ہے وہ آپ کو کچھ نہیں دیتا۔ لیکن جس وقت کو آپ صحیح کام میں استعمال کرتے ہیں، وہ مستقبل میں آپ کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً چھٹیوں کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ اپنی نصاب کی کتابیں اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں اور اسے کھول کر دیکھنا بھی پسند نہ کریں۔ اس طرح تو آپ پچھلا پڑھا ہوا سبق بھی بھول جائیں گے اور آئندہ کی تیاری میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ اس لئے ان چھٹیوں میں بھی روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ وقت آپ کو اپنی پڑھائی کے لئے ضرور نکالنا چاہئے۔ پڑھنا لکھنا بھی ایک عادت کا نام ہے۔ یہ عادت چھوٹنی نہیں چاہئے۔ ایک گھنٹہ پڑھ کر آپ باقی وقت کے لئے آزاد ہیں۔

ان چھٹیوں میں بہت سے ساتھی تو اپنے والدین کے ساتھ گھومنے نکل جاتے ہیں اور بعض اپنے عزیزوں کے ہاں دوسرے شہر چلے جاتے ہیں۔ لیکن جو اپنے گھروں پر ہی رہ رہے ہیں، انہیں اپنے لئے کوئی مفید مشغلہ تلاش کرنا چاہئے۔ اپنی دلچسپی کا کوئی چھوٹا موٹا سا منصوبہ بنانا چاہئے جو ان چھٹیوں ہی کے دوران مکمل ہو جائے۔ سائنس کے طالب علم گھریلو استعمال کی کوئی چیز بنا سکتے ہیں، لکھنے پڑھنے والے اچھی اچھی کتابیں اور رسائل جمع کر کے گھر میں اپنی کوئی لائبریری بنا سکتے ہیں، کسی کو باغبانی سے دلچسپی ہو تو وہ پھول پودے اگا سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ تو بہر حال آپ ہی کو طے کرنا چاہئے کہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔ اور جب آپ یہ طے کر کے اپنے آپ کو اس کام میں مصروف کر لیں گے تو یقین جانئے کہ آپ کو چھٹیوں کا مزہ آجائے گا۔ یہ چھٹیاں آپ کے لئے یادگار ہو جائیں گی۔ آپ اپنے وقت کی قیمت وصول کر لیں گے۔ ایک ایسا کام آپ کے ہاتھوں ہو جائے گا جو شاید عام دنوں میں نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑے لوگ اپنے وقت کو اپنے کارناموں میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ کیا آپ اپنے وقت کو محفوظ کرنا نہیں چاہیں گے!!!

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

پروردگارِ عالم

زاہد الحسن زاہد

پروردگار عالم اے دو جہاں کے والی
آیا ہوں تیرے در پر بن کے ترا سوالی

تیرے ہی نور سے ہیں روشن یہ چاند تارے
یہ صبح کا اجالا اور یہ شفق کی لالی

یہ آسماں، یہ دھرتی، یہ صحرا، یہ سمندر
ہے تو ہی سب کا خالق، ہے تو ہی سب کا والی

قدرت سے تیری جاری، یہ کاروانِ ہستی
ہے ذاتِ پاک تیری اس کو چلانے والی

دنیا کی شان و شوکت، یہ دولت و امارت
ہر چیز کو فنا ہے، اک تیری ذات عالی

ہر چیز کے لبوں پر تیری ثنا ہے جاری
تیرے حضور خم ہے گلشن کی ڈالی ڈالی

وہ شاہ یا گدا ہو، محکوم ہو کہ حاکم
ہے تو ہی سب کا داتا، ہیں سب ترے سوالی

لکنت کے ہاتھوں زاہد اک عمر سے ہے بے بس
کھل جائے یہ گرہ بھی تیرے کرم سے والی

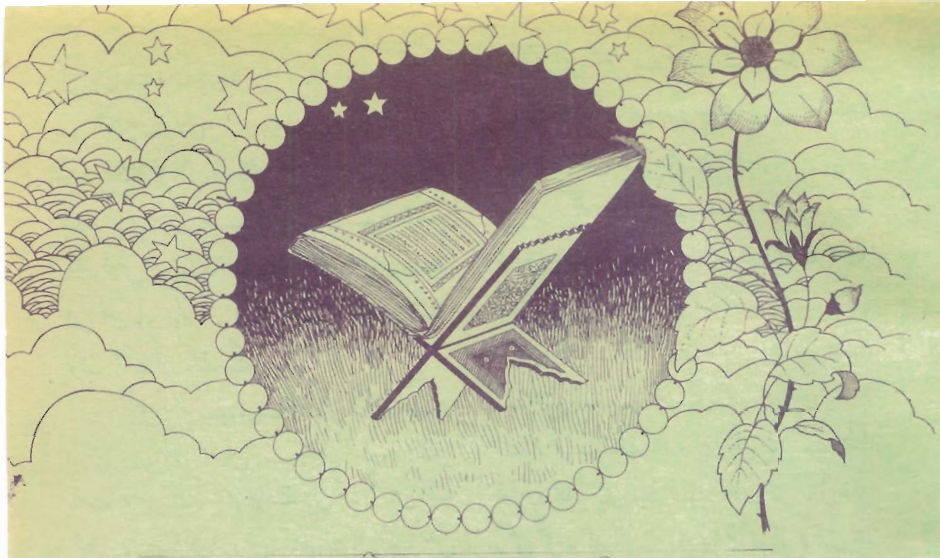

اے بُت میں تیرا پجاری نہیں ہوں

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا   ترجمہ: زبیر طارق

طفیل بن عمرو قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ ان کا شمار عرب کے اہم ترین شرفا میں ہوتا تھا۔ ان کے اندر وہ ساری خصوصیات موجود تھیں جو کسی قبیلے کے سردار میں ہونی چاہئیں۔ بہادری، سخاوت مردانگی اور عزت و عظمت وغیرہ۔

ایک دن طفیل نے اپنے قبیلے کو تہامہ کی ساحلی بستی میں چھوڑا اور مکہ کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ میں ایمان اور کفر کے درمیان معرکہ برپا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان کشمکش عروج پر تھی۔...... اس کشمکش میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اپنے رب پر ایمان لانے اور حق کی صف میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔ کفارِ مکہ نے اس دعوت کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ لوگوں کو اس سے روکنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کر رہے تھے۔

طفیل گھر سے روانہ ہوئے تو انہیں مکہ کے حالات کا کچھ علم نہ تھا۔ مگر وہاں پہنچتے ہی ان کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوا کہ وہ کفر پر قائم رہیں یا اسلام قبول کر لیں۔

یہاں سے طفیل بن عمرو کی ناقابل فراموش داستان شروع ہوتی ہے۔ یہ ایمان افروز قصہ انہیں

کی زبان سے سنتے ہیں۔

طفیل کہتے ہیں:

"جیسے ہی میں مکہ پہنچا، سردارانِ قریش کی نظر مجھ پر پڑی۔ وہ میرے استقبال کو آگے بڑھے۔ مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے بہترین مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ کچھ دیر بعد ان کے سردار اور بڑے لوگ آگئے اور کہنے لگے:

"طفیل! تم نے ہمارے شہر میں قدم رکھا ہے اور ہمارے معزز مہمان ہو۔ ہمیں تمہاری بھلائی بہت عزیز ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیں۔ ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ اس نے ہمارے معاملات بگاڑ دیئے ہیں۔ ہمارے اتحاد کو پھاڑ ڈالا ہے اور ہماری جماعت بکھیر دی ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں کہیں تم بھی اپنے قبیلے سمیت اس میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اس آفت سے محفوظ رہو تو اس شخص سے ہرگز کوئی بات نہ کرو اور نہ اس کی کسی بات پر کان دھرو۔ تمہیں خطرے سے خبردار کرنا ہمارا فرض تھا۔ یاد رکھو اس شخص کی گفتگو جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اس کی باتیں باپ کو بیٹے سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتی ہیں اور ان کے اثر سے خاوند اور بیوی کے درمیان تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

سرداران قریش کی زبان سے عجیب و غریب باتیں سن کر میں خوفزدہ ہو گیا۔ اور مجھے اپنی اور اپنے قبیلے کی فکر لاحق ہو گئی۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس شخص کے قریب تک نہ جاؤں گا اور اس سے بات کرنا تو دور کی بات اس کی آواز تک اپنے کانوں میں نہ پڑنے دوں گا۔

میں اگلے دن صبح سویرے کعبہ کا طواف کرنے حرم کی جانب چل دیا۔ طواف کے علاوہ میرا مقصد بتوں سے برکت حاصل کرنا تھا۔ ہمارے دلوں میں ان کا بہت مقام تھا اور ہم ان کی زیارت کے لئے طویل فاصلے طے کرتے تھے۔ میں اپنی قیام گاہ سے حرم کے لئے نکلا تو میرا دل اندر سے سخت خوفزدہ تھا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ڈال رکھی تھی۔ پھر بھی میں ڈر رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز کہیں میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

میں جیسے ہی خانہ کعبہ میں داخل ہوا، میری نظر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پڑی۔ وہ کعبہ کے قریب نماز پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان کی نماز اور عبادت کا طریقہ ہم سے بالکل مختلف تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میں چند لمحے کے لئے اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ ان کی عبادت کے طریقے نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ میرے پاؤں خود بخود ان کی جانب بڑھنے لگے۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ان کے قریب جا پہنچا۔

"اللہ کی مرضی"..... میرے کانوں میں ان کے چند الفاظ پڑے۔ یہ الفاظ کسی نہایت عمدہ کلام کا ٹکڑا تھے۔ یہ سن کر میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"طفیل! تیری ماں تجھے کھودے..... تو تو ایک

نہایت عقلمند شخص اور شاعر ہے۔ کوئی بھی اچھی یا بری چیز ایسی نہیں جس کو تو نہیں جانتا۔ اس شخص کی بات سننے میں آخر حرج کیا ہے؟ دیکھ تو سہی وہ کیا کہتا ہے۔ اچھی بات ہو تو قبول کر لینا۔ بُری ہو تو چھوڑ دینا۔"

یہ سوچ کر میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت سے فارغ ہو کر گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں قدم رکھا، میں بھی وہاں پہنچ گیا۔

میں نے آپ کی خدمت میں ساری داستان عرض کی۔ ان کی قوم نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا، وہ بیان کیا اور انہیں بتایا کہ میں نے خوف کی بنا پر اپنے کان روئی سے بند کر رکھے تھے مگر اس احتیاط کے باوجود چند الفاظ میرے کانوں میں پڑ گئے۔ یہ کلام مجھے بہت بھلا لگا۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ مجھے اپنے بارے میں آگاہ فرمایئے۔ انہوں نے مجھے سارے معاملے سے باخبر کیا۔ پھر سورہ اخلاص اور سورہ فلق سنائیں۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس سے بہترین کلام نہ سنا تھا۔ اور نہ ہی آپ کے کام سے زیادہ متوازن کوئی کام دیکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور گواہی دی کہ "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" اس طرح میں اسلام میں داخل ہو گیا۔

طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قبولِ اسلام کے بعد میں کچھ عرصہ تک مکہ میں ٹھہرا رہا۔ اس دوران میں نے اسلامی تعلیمات سیکھیں اور قرآن کا کچھ حصہ یاد کیا۔ پھر میں نے سوچا، اب اپنے قبیلے کے پاس واپس جانا چاہئے۔ یہ فیصلہ کر کے میں اٹھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسولؐ! اپنے قبیلے میں میرا بہت مرتبہ ہے۔ لوگ میری اطاعت کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے پاس جاؤں اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کروں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ مجھے ایسی نشانی مل جائے جو اس کام میں میری معاون و مددگار ثابت ہو۔ میری اس درخواست پر حضورؐ نے دعا فرمائی۔

اس کے بعد میں اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنے قبیلے کے علاقے میں ایک بلند جگہ پر پہنچا تو اچانک ایک نور میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند جگمگانے لگا۔ میں ڈر گیا کہیں ایسا نہ ہو، میرے قبیلے کے لوگ اسے عتاب سمجھ بیٹھیں اور خیال کریں کہ یہ آفت مجھ پر ان کا دین چھوڑنے کے باعث ٹوٹی ہے۔ چنانچہ میں نے دعا کی! اے اللہ! اسے میرے چہرے سے ہٹا کر کسی اور جگہ منتقل فرما۔" میری دعا قبول ہوئی اور روشنی میرے چابک کے سرے پر ظاہر ہو گئی۔ دور سے یہ روشنی ایک لٹکتی ہوئی قندیل دکھائی دیتی۔ میں گھاٹی سے اترا اور اپنے قبیلے میں جا پہنچا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ میرے والد میرے

پاس تشریف لائے۔ وہ خاصے بوڑھے ہو چکے تھے۔ میں نے انہیں آتے دیکھا تو کہا:

"اباجان! مجھ سے دور رہئے۔ نہ میں آپ کا کچھ لگتا ہوں اور نہ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔"

وہ بولے "بیٹے کیوں؟"

"میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بیٹے! میرا دین بھی وہی ہے جو تمہارا دین ہے۔" انہوں نے کہا۔

"یہ بات ہے تو جاکر غسل کیجئے اور پاک کپڑے پہن کر تشریف لائیے۔ تاکہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ کو سکھاؤں۔" میں نے اپنے والد سے کہا۔ چنانچہ وہ غسل کر کے اور صاف کپڑے پہن کر تشریف لائے۔ میں نے ان کی خدمت میں اسلام کا پیغام پیش کیا اور انہوں نے اسے قبول کر لیا۔

کچھ دیر بعد میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے وہی بات دہرائی۔

"مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ نہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے نہ تمہارا مجھ سے۔" وہ بولی!

"مگر کیوں؟"

میں نے جواب دیا: "میں اسلام لا چکا ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اب میرے اور تمہارے درمیان ایک دوری واقع ہو گئی ہے۔" وہ بولی۔

"میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا ہے۔" یہ سن کر میں نے کہا: اچھا جاؤ اور ذوالشریٰ کے پانی سے نہا دھو آؤ۔"

ذوالشریٰ میرے قبیلے دوس کا بت تھا۔ اس کے ارد گرد پانی جمع تھا یہ پانی پہاڑ سے بہہ کر آتا تھا اور چھوٹی سی جھیل بن گئی تھی۔

"مجھے ڈر ہے کہیں ذوالشریٰ کی مار نہ پڑ جائے۔" وہ سہم کر بولی۔

"تم اور تمہارا ذوالشریٰ ہلاک ہو..... میں کہتا ہوں وہاں جاؤ اور لوگوں سے ہٹ کر نہا دھو آؤ۔ میں تمہیں حفاظت کی ضمانت دیتا ہوں یہ پتھر کا ٹکڑا تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔"

میری بات سن کر وہ جانے پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ وہ غسل کر کے آئی۔ میں نے اسے اسلام کے پیغام سے آگاہ کیا اور وہ اسلام لے آئی۔

اس کے بعد میں نے دوس کے دوسرے لوگوں تک یہ دعوت پہنچائی مگر وہ سوچ میں پڑ گئے اور انہوں نے فیصلہ کرنے میں تاخیر کر دی۔ صرف ابو ہریرہ نے میرا کہا مانا اور فوراً اسلام لے آئے۔

طفیلؓ کہتے ہیں:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ واپس آگیا۔ میرے ہمراہ ابو ہریرہؓ بھی تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طفیل تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟"

میں نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول!

دوس نافرمانی اور گناہوں میں ڈوب چکے ہیں اور کفر نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔"

یہ سن کر حضور اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے وضو فرمایا۔ پھر آپ کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں! "یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرما دی تو وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

میرے منہ سے نکلا۔

"ہائے میری قوم....."

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

"اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما..... انہیں راہِ راست نصیب کر ..... انہیں ہدایت بخش دے۔"

پھر آپ طفیل رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ ان سے مہربانی اور شفقت کا سلوک کرو اور انہیں اسلام کی جانب دعوت دو۔"

طفیلؓ کہتے ہیں۔

میں اس کے بعد دوس کے علاقے ہی میں رہا۔ میری یہ کوشش تھی کہ وہ لوگ اسلام کی جانب مائل ہو جائیں۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی لڑی گئیں۔ بالآخر ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہمراہ دوس کے اسی گھرانے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس عرصے میں اسلام قبول کیا تھا۔ حضورؐ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ اس وقت مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ یہ مال غزوۂ خیبر سے حاصل ہوا تھا۔ آپؐ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہمیں حصہ دیا۔ اس موقع پر ہم نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! آئندہ غزوات میں اسلامی لشکر کا دایاں پہلو ہمیں سونپا جائے اور ہمیں ہمارا شعار "صبرور" اپنانے کی اجازت دی جائے۔"

اس کے بعد طفیلؓ فتح مکہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ اس دن اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کر دیا گیا۔ اب باقی عرب کی باری تھی۔ وہاں اور کئی بتوں کے ساتھ عمرو بن حممہ کا بت ذوالکفین بہت مشہور تھا۔ طفیلؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ اس بت کو جلانے کے لئے انہیں بھیجا جائے۔ چنانچہ انہیں اجازت مل گئی اور وہ اس بت کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ ان کے ہمراہ انہی کے قبیلے کا ایک دستہ تھا۔

طفیلؓ منزل مقصود پر پہنچے اور بت کو جلانے کی تیاری شروع کر دی۔ عورتیں مرد اور بچے ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ

ذوالکفین کی طرف میلی آنکھ اٹھانے والا کبھی بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ منتظر تھے کہ ابھی آسمان سے کڑک اور گرج کے ساتھ آگ آگرے گی اور ان لوگوں کو جلا ڈالے گی۔

مگر طفیلؓ کسی وسوسے کو ذہن میں لائے بغیر کام میں مصروف تھے۔ وہ اس بت کے پجاریوں کی موجودگی میں آگے بڑھے اور اس کے پہلو میں آگ لگا دی۔ اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

"اے ذوالکفین ! میں تیرا پجاری نہیں ہوں
ہماری پیدائش تیری پیدائش سے کہیں بہتر ہے!
دیکھ! آگ تیرے پہلو میں لگ گئی ہے!!"

دیکھتے ہی دیکھتے آگے بھڑک اٹھی اور اس کے شعلے ذوالکفین کو نگل گئے۔ اس کے ساتھ ہی ان شعلوں کی لپٹوں نے قبیلہ دوس کے باقی ماندہ شرک کو بھی چاٹ ڈالا۔ اور یہ پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آکر بس گئے۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارتے۔ حضورؐ کی وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر آپڑی۔ طفیلؓ نے اپنی جان، تلوار اور اولاد خلیفہ رسول کی اطاعت میں سونپ دی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلافت سنبھالتے ہی عرب بھر میں ارتداد کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پورے کے پورے قبیلے اسلام چھوڑ کر کفر کی جانب لوٹنے لگے۔ مسیلمہ کذاب نے موقع غنیمت جانا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ہزاروں افراد اس کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسیلمہ کے مقابلے میں فوج بھیج دی۔ یہ اسلامی لشکر مسیلمہ کے مرکز یمامہ کی سمت روانہ ہوا۔ طفیلؓ اپنے بیٹے عمروؓ کے ساتھ اس فوج کے ہر اول دستے میں تھے۔

راستے میں ایک مقام پر انہوں نے خواب دیکھا۔ صبح اپنے ساتھیوں سے کہا:

"میں نے ایک خواب دیکھا ہے، مجھے اس کی تعبیر بتاؤ۔"

"آپ نے کیا دیکھا ہے؟" ساتھیوں نے پوچھا۔

"میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈا ہوا ہے اور ایک پرندہ میرے منہ سے نکل کر اڑ گیا۔ اس کے بعد ایک عورت مجھے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ میرا بیٹا عمرو تیزی سے میرے پیچھے آتا ہے لیکن اس کے اور میرے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ طفیلؓ نے اپنا خواب سنایا۔

"خوب ...." ان کے ساتھیوں نے بات شروع کی۔

"نہیں...... اللہ کی قسم...... سب سے پہلے میں خود تعبیر بیان کرتا ہوں۔" طفیلؓ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"سر منڈا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے کاٹا جائے گا..... پرندہ جو میرے منہ سے نکلا، میری روح ہے..... عورت جس نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا، زمین ہے۔ یہ میرے لئے کھودی جائے گی اور مجھے اس کی آغوش میں چھپا دیا جائے گا.....

رہا میرے بیٹے کا مجھے ڈھونڈنا، تو وہ بھی اس شہادت کا طالب ہے جسے میں پاؤں گا..... اگر اللہ نے چاہا..... لیکن وہ ابھی اسے حاصل نہ کر سکے گا۔"

یمامہ کی جنگ ہوئی۔ طفیل بن عمروؓ نے زبردست بہادری کا مظاہرہ کیا۔ انہیں کئی کاری زخم آئے۔ بالآخر زمین پر گر پڑے۔ ان کا خواب سچ ثابت ہوا اور انہوں نے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔

آپ کے بیٹے عمروؓ بھی مردانہ وار لڑے۔ جنگ میں ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا اور وہ زخموں اور کمزوری سے نڈھال ہو گئے۔

یمامہ کی زمین میں عمروؓ اپنے والد اور کٹے ہوئے ہاتھ کو چھوڑ کر مدینہ لوٹ آئے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا۔ ایک دن عمرو بن طفیلؓ آپ کے پاس آئے۔ اسی دوران حضرت عمرؓ کے لئے کھانا لایا گیا۔ اس وقت اور بھی بہت سے لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب کو کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی لیکن عمرو ایک جانب الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا:

"تمہیں کیا ہوا؟..... شاید تم اپنے ہاتھ کی وجہ سے شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

"جی ہاں۔ امیر المومنین۔" عمروؓ نے جواب دیا۔

"اللہ کی قسم! میں یہ کھانا نہ چکھوں گا جب تک تمہارا کٹا ہوا بازو اسے نہ چھو لے۔ ..... بخدا پوری قوم میں تمہارے سوا کوئی شخص ایسا نہیں۔ جس کا ایک حصہ جنت میں ہو۔" حضرت عمرؓ کا اشارہ ان کے ہاتھ کی جانب تھا۔

باپ کی جدائی کے بعد عمرو کو شہادت کی آرزو نے بے قرار رکھا تھا۔ وہ یہ خواب برابر دیکھتے رہے۔ بالآخر جنگِ یرموک کا وقت آپہنچا۔ جنگِ یرموک شام کے محاذ پر فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس میں رومیوں کو تباہ کن شکست ہوئی اور شام کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

عمروؓ اس معرکہ میں شریک ہوئے۔ ایک ہاتھ کے باوجود انہوں نے شجاعت کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ آخر کار ان کی خواہش پوری ہوئی۔ وہ میدان جنگ میں کام آئے اور اس طرح انہوں نے شہادت پائی..... وہ شہادت جس کی آرزو کا دیا ان کے دل میں ان کے والد طفیل رضی اللہ عنہ نے روشن کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ طفیل بن عمروؓ پر رحم فرمائے۔ وہ خود شہید ہیں اور شہید کے والد بھی۔

دو بھائیوں کی لڑائی

سیدہ افشاں افتخار

چُنّو مُنّو تھے دو بھائی
کام تھا ان کا روز لڑائی

وہ جب بھی باہر کو جاتے
روز کسی سے لڑ کر آتے

اوروں سے تو خیر اکڑتے
آپس میں بھی وہ لڑ پڑتے

اک دن دونوں لڑتے آئے
لڑتے اور جھگڑتے آئے

بات بڑھی جب ہولے ہولے
جو بھی منہ میں آیا بولے

چُنّو بولا آلو ہو تم
مُنّو بولا بھالو ہو تم

چنو بولا موٹو ہو تم
گھومنے والے لٹو ہو تم

منو بولا ٹٹو ہو تم
کابل اور نکھٹو ہو تم

آخر ان میں بڑھی لڑائی
دھینگا مشتی، مار کٹائی

ساری راہ جھگڑتے آئے
گھر تک بکتے جھکتے آئے

اتنے میں جب ابو آئے
اب تو دونوں ہی گھبرائے

ابو نے پھر ان کو ڈانٹا
اک رسے سے ان کو باندھا

لڑنا بھڑنا کام بُرا ہے
لڑنے کا انجام بُرا ہے

سرحد کے اس پار

اشتیاق احمد

"نوجوان! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھاتا ہوں، سرحد کے اس پار نہ جاؤ۔"

"تب پھر آپ نے مجھے چھ ماہ تک تربیت کیوں دی؟"

"میجر صدیقی کے حکم سے مجبور ہو کر..... اور انہوں نے تمہاری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ورنہ وہ بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔"

"تب پھر آپ مجھے روکنے کی کوشش نہ کریں۔" نوجوان مسکرایا۔

"دیکھو! اس طرف ہر قدم پر موت ہے۔" کیپٹن نے جھلا کر کہا۔

"اسی لئے تو جانا چاہتا ہوں۔" نوجوان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"کیا تم زندگی سے بیزار ہو؟" کیپٹن نے تنگ آ کر کہا۔

"یہ سوال آپ مجھ سے تربیت کے ان چھ ماہ کے دوران کئی بار پوچھ چکے ہیں اور میں نے آپ کو ہر بار یہ جواب دیا ہے کہ زندگی میرے لئے ایک دل کش چیز ضرور ہے مگر اپنے دین سے زیادہ نہیں۔ اور اپنے ملک سے زیادہ دل کش بھی نہیں اور اپنی قوم سے زیادہ دل کش بھی نہیں۔"

"اف! اب میں تمہیں کس طرح سمجھا سکتا ہوں۔" کیپٹن نے اپنے بال مٹھی میں کس

لئے۔

"اب سمجھانے کا وقت رہ بھی کہاں گیا ہے ..... آج تو میں آپ لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں..... سرحد کے اس پار جا کر میں جاسوسی کے وہ فرائض انجام دوں گا، ایسے کارنامے کروں گا کہ آپ بھی دنگ رہ جائیں گے۔"

"میں تو اس لمحے بھی دنگ ہوں ..... جب تمہیں رخصت کرنا پڑ رہا ہے..... ابھی تمہاری عمر ہی کتنی ہے۔ اور تم نے دشمن ملک میں جا کر اپنے ملک کے لئے جاسوسی کرنے کی ٹھان لی۔"

"ہاں! بس ٹھان لی ..... اس سے زیادہ پُر لطف کام مجھے اور کوئی نظر ہی نہیں آیا..... کیا آپ نہیں چاہتے کہ میں اسلام کے کام آؤں، اپنے ملک کے لئے کچھ کر گزروں، اپنی قوم کے حق میں بہتر ثابت ہوں؟"

"میں ہی کیا..... ہماری قوم کا ہر فرد ایسا چاہتا ہے..... لیکن اس کام کے لئے پیشہ ور لوگ موجود ہیں..... وہ دشمن ملک میں جاتے ہیں..... وہاں اسی قسم کے فرائض انجام دیتے ہیں ..... ہم ان کے گھروں میں تنخواہیں بھجواتے ہیں ..... اور میرے نوجوان دوست!..... ان میں سے بہت کم زندہ واپس آتے ہیں..... پانچ فیصد کے قریب آجاتے ہوں گے..... لیکن یہ ان کا کام ہے..... جب ہم لوگ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں تو ہر ایک کو یہ عہد کرنا پڑتا ہے کہ ان کے ذمے جو ڈیوٹی لگائی جائے گی، وہ انجام دیں گے..... وہ اس کا عہد کرتے ہیں ..... چنانچہ فوج میں سے بھی ایسے نوجوان کو چنا جاتا ہے..... جو دشمن ملک میں اپنی زندگی بتا دیتے ہیں ..... یا جتنے عرصے کے لئے انہیں بھیجا جاتا ہے..... اتنا عرصہ وہاں گزارتے ہیں..... پھر انہیں واپس بلا لیا جاتا ہے، لیکن بہت کم واپس آتے ہیں..... اور تم..... تم تو فوج میں ملازم ہی نہیں ہو۔"

"مجھے ایک ملازم کی حیثیت سے جانا پسند نہیں ..... میں تو بالکل مفت یہ خدمات سرانجام دینا چاہتا ہوں..... میرا خیال ہے وقت ہو چلا ہے..... اب آپ مجھے میجر صاحب کے سامنے پیش کر دیں۔"

"اچھا تمہاری مرضی ..... میں اپنی آخری کوشش کر چکا ہوں۔"

"شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں ..... بہت زیادہ..... چھ ماہ تک آپ نے بڑے بھائی کی طرح مجھے تربیت دی..... آپ کا سلوک مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"اور تم بھی مجھے بہت یاد آتے رہو گے..... یہاں تک کہ تم اس مشن سے کامیاب لوٹ آؤ گے..... آمین۔" کیپٹن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر نوجوان کو ساتھ لے کر میجر صدیقی کے خیمے کی طرف چل پڑا..... خیمے میں داخل ہو کر دونوں نے میجر کو سیلوٹ کیا..... میجر نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا۔

"کیپٹن ..... تم نے اپنے نوجوان دوست کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟"

"چھ ماہ تک کی ہے سر..... لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی..... ان پر تو بس دشمن ملک جانے کا بھوت سوار ہے۔"

"اچھی بات ہے..... ایک کوشش میں بھی کر لوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں سر..... اب تو میں چھ ماہ تک تربیت لے چکا ہوں..... اگر اب رکوں گا تو گویا کیپٹن صاحب کی ساری محنت اکارت جائے گی۔"

"نہیں..... نہیں..... میں کوئی خیال نہیں کروں گا..... تمہارے رکنے پر مجھے تو حد درجے خوشی ہوگی۔ ابھی تم کم عمر ہو اور پھر باقاعدہ فوج کے ملازم بھی نہیں ہو۔"

"پھر وہی بات کیپٹن صاحب۔" نوجوان نے احتجاج کیا۔

"سنو نوجوان..... کیپٹن نے بالکل درست تمہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے..... اب میں بھی تم سے کہتا ہوں..... رک جاؤ..... نہ جاؤ..... تمہیں فوج میں باقاعدہ بھرتی کرا دیتا ہوں..... پانچ سات سال فوج کی زندگی گزار لو..... پھر اپنا یہ شوق پورا کر لینا۔"

"جی نہیں سر..... اب میں نہیں رک سکتا۔" اس کے لہجے میں پختگی تھی۔

"اچھا بابا..... تم نہیں مانو گے..... اب میری ایک آخری بات سنو..... اگر تم گرفتار کر لئے جاؤ تو ہرگز ہرگز یہ بیان نہیں دو گے کہ ہم نے تمہیں

کامیابی مبارک

اپنی کامیابی سے

ہمیں بھی باخبر کیجئے

آپ کسی بھی کلاس
کے طالب علم ہوں ... اگر آپ نے کلاس میں
پہلی پوزیشن
دوسری پوزیشن
یا
تیسری پوزیشن
حاصل کی ہے تو اس کی تصدیق اپنے تعلیمی
ادارے کے سربراہ سے کروائیے اور ہمیں
بھجوا دیجئے؛
ہم آپ کو
پرائڈ آف پوزیشن
کی سند دیں گے

تحریکِ فروغِ علم میں پیش پیش
ماہنامہ
آنکھ مچولی
1- پی آئی بی کالونی، کراچی ۱۴

جاسوسی کی غرض سے بھیجا ہے..... بلکہ تم کہو گے ..... تم ایک اسمگلر ہو اور بس۔"

"بہت بہتر سر..... آپ کے حکم پر عمل کروں گا..... میری زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکلیں گے۔"

"چاہے تم پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ توڑا جائے!" کیپٹن نے سرد آواز میں کہا۔

"ہاں..... چاہے وہ میرے جسم کے حصے الگ الگ کر دیں..... آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھا نوجوان..... آؤ..... میں تمہیں سرحد کے اس مقام پر لے چلتا ہوں..... جہاں عام طور پر کوئی فوجی نہیں ہوتا..... اور تم آسانی سے سرحدی دیہات میں داخل ہو جاؤ گے، وہاں سے تم تربیت کے مطابق اور جو معلومات تمہیں دی گئی ہیں ان کے مطابق عمل کرو گے۔"

"ٹھیک ہے..... میں سمجھ گیا۔" نوجوان پر سکون انداز میں مسکرایا۔

دونوں اسے لے کر چل پڑے..... انہیں تاریک رات میں پندرہ منٹ تک چلنا پڑا..... پھر میجر نے دبی آواز میں کہا۔

"یہ ہے وہ جگہ جہاں سے تمہیں سرحد عبور کرنا ہے..... اچھا خدا حافظ۔" یہ کہہ کر میجر نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ نوجوان میجر کے سینے سے لگ گیا۔ اس وقت میجر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ..... پھر نوجوان کیپٹن کے سینے سے جا لگا..... پھر ایک جھٹکے سے الگ ہوا اور سرحد کی طرف چل دیا ..... دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے..... دیکھتے رہے۔

"آیئے سر..... چلیں۔" کیپٹن کی آواز ابھری۔

"ٹھہرو کیپٹن....." میجر صدیقی بولے۔

وہ نوجوان کو دیکھتے رہے..... وہ بہت اچھے انداز میں آگے جا رہا تھا..... اور پھر وہ سرحد عبور کر گیا ..... اب وہ دشمن کی زمین پر قدم رکھ چکا تھا..... دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں..... کیونکہ اس بات کا بھی امکان تھا کہ سرحد کے اس مقام پر کچھ فوجی چھپے ہوئے ہوں..... وہ ابھی تک انہیں آگے جاتا نظر آ رہا تھا..... اچانک ایک تیز آواز گونجی۔

"ہالٹ..... رک جاؤ..... ورنہ گولی مار دیں گے۔"

دونوں کے دل زور سے اچھلے..... اور نوجوان نے خود کو فوراً زمین پر گرا دیا..... عین اس لمحے سرچ لائٹ آن کر دی گئی اور پھر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی..... فضا میں ایک دل دوز چیخ ابھری..... اور پھر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

میجر صدیقی لڑکھڑائے..... لیکن پھر انہوں نے خود کو گرنے سے بچا لیا..... اسی وقت ایک آواز ابھری،

"میجر صدیقی..... آ کر اپنے نوجوان کی لاش لے جاؤ..... تمہارا اپنا جاسوس مارا گیا۔"

دونوں خاموش رہے..... وہ بار بار یہی الفاظ کہتا

رہا..... پھر تھک کر خاموش ہو گیا..... دونوں وہاں سے ہٹ کر اس مقام کی طرف چل پڑے..... جہاں دونوں ملکوں کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی رہتی تھیں..... وہ وہاں پہنچے ہی تھے کہ بھارتی میجر کی آواز سنائی دی۔

"میجر صدیقی..... ابھی ابھی تم نے جو آدمی بھیجا تھا..... وہ مارا گیا..... اس کی لاش اٹھالو آکر ..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں میجر..... وہ کوئی اسمگلر ہو گا..... ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کیا سچ کہہ رہے ہو میجر؟"

"اور نہیں تو کیا جھوٹ۔"

"تم جانو..... ہم تو لاش دینے کے لئے تیار ہیں۔"

"جب ہمارا اس لاش سے کوئی تعلق ہی نہیں۔"

"خیر..... ہم اس کی قبر اسی جگہ بنا رہے ہیں، جہاں وہ گرا ہے..... اب کون لاش اٹھا کر لے جائے۔" بھارتی میجر کی آواز سنائی دی۔

"دونوں وہاں سے اپنے خیمے کی طرف مڑ گئے۔ ان کے دلوں پر نا قابلِ برداشت بوجھ تھا۔

..... ○ ..... ○ .....

"میجر صاحب..... چھ ماہ ہو گئے..... آپ روزانہ رات کو سرحد کے اس مقام پر ضرور آتے ہیں اور کھڑے ہو کر ٹکٹکی باندھ کر اس قبر کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ آخر کیوں؟..... آپ کب تک ایسا کرتے ہیں گے..... آخر اس کی کیا ضرورت ہے..... اب چھوڑ بھی دیجئے اس کام کو۔"

"ہاں کیپٹن! تم ٹھیک کہتے ہو..... مجھے اس کام کو اب ترک کر دینا چاہئے..... کیپٹن..... آج میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں..... چھ ماہ تک یہ بات میں نے تمہیں نہیں بتائی..... لیکن آج..... تم نے کہا ہے..... میں کیوں ہر روز رات کو اس مقام پر آتا ہوں اور کیوں اس قبر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ہوں..... تو سنو..... وہ نوجوان ..... جو سرحد پار کرتے ہوئے مارا گیا تھا..... جسے تم نے چھ ماہ تک تربیت دی تھی..... وہ..... وہ میرا بھائی تھا..... سگا بھائی..... ہاں!"

میجر کا گلا رندھ گیا..... کیپٹن اس طرح ساکت رہ گیا جیسے اب کبھی اس میں زندگی کے آثار نہیں آئیں گے۔

■

اس کہانی میں مصنف نے جان بوجھ کر کچھ غلطیاں چھوڑی ہیں۔ آپ ان کی نشان دہی کیجئے۔ بالکل درست جواب دینے والے ساتھی کو اشتیاق احمد کے تازہ ناولوں کا سیٹ انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ درست جواب موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہو گا۔

(ادارہ)

نہلے پہ دہلا

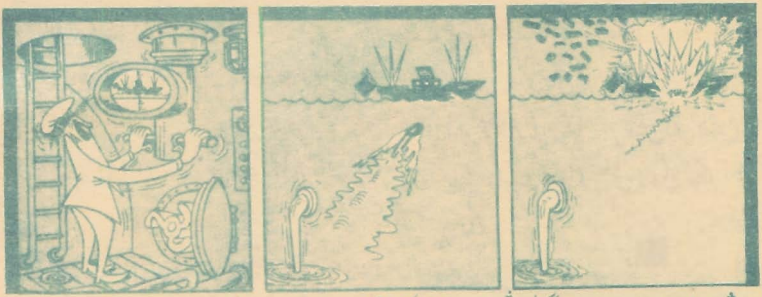

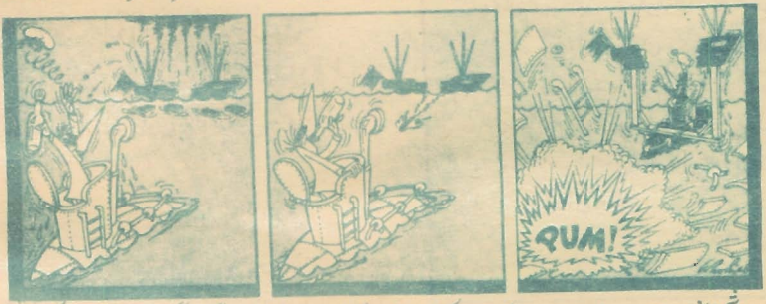

دشمن نمبر ۱: اوہو! ویری گڈ دشمن کا جہاز بالکل نشانے پر ہے - فائر!! ہر... ہرے رے... وہ مارا

دشمن نمبر ۱: ایں... اوے... یہ کیا؟ راکٹ واپس آرہا ہے- بچاؤ... بھاگو بھاگو..... دھم دھماکہ
دشمن نمبر ۲: کیوں؟ کیسا؟...

بارے کچھ آموں کا بیاں ہو جائے

علی جبران

آم بے حد میٹھا اور رسیلا پھل ہے۔ اس کی پیداوار استوائی علاقے کے ملکوں تک محدود ہے۔ اس پھل کی ابتدائی تاریخ پر پردہ پڑا ہے۔ بعض حکما کے نزدیک اس کا آغاز "بنگیفرا انڈیکا" زمرے کی نباتات سے ہوا جس کی ابتدا مشرقی ہندوستان، برما اور آسام میں ہوئی۔

بعد میں اس زمرے میں "مینگی فرالیورینا" اقسام بھی شامل ہو گئیں اور ان کے ملاؤ سے نئی اقسام نے جنم لیا۔ یہ اقسام "ملایا" کے خطے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آم واحد پھل ہے جس کا ایک تاریخی پس منظر ہے اور یہ برصغیر کے لوک گیتوں اور مذہبی روایات کا حصہ بنا اور اسے "کلاسیکی" حیثیت حاصل ہو گئی۔ ایک روایت کے مطابق مہاتما بدھ کی عبادت کا زیادہ وقت آموں کے باغ میں ہی کٹتا تھا۔ کیونکہ اس دور میں یہ خیال عام تھا کہ انسان کو جو یکسوئی آموں کے درختوں کے نیچے

بیٹھ کر حاصل ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی۔

آم سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ چینی سیاح ہیون سانگ (دور سیاحت ۶۳۲ء اور ۶۴۵ء) دنیا کا پہلا شخص تھا جس نے بیرونی دنیا کو آم سے روشناس کرایا۔

مغل شہنشاہ اکبر نے (دور اقتدار ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) سے "دربھنگہ" کے نزدیک "لکھی باغ" لگوایا۔ اس میں آم کے ایک لاکھ درخت تھے۔

جن خطوں میں انگریزی اور ہسپانوی زبانوں کا چلن ہے، وہاں آم مینگو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ نام تامل لفظ مینگے سے پرتگیزوں نے لیا اور اسے "مینگا" کی صورت میں اپنی زبان میں شامل کر لیا۔ مغربی کرۂ ارض ۱۷۰۰ء میں آم سے واقف ہوئی۔ جب پہلی مرتبہ آموں کے باغات برازیل میں لگائے گئے۔ ۱۷۴۰ء میں آموں کے پودے جزائر غرب الہند پہنچے۔

آم کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک "تخمی" اور دوسرا "قلمی"۔ "تخمی چوسے جاتے ہیں اور قلمی کھائے جاتے ہیں۔ تخمی آموں میں سے بعض میں ریشے ہوتے ہیں اور ان کا رس پتلا ہوتا ہے۔ قلمی آموں کا گودا موٹا اور جما ہوتا ہے۔ ان میں ریشہ نہیں ہوتا۔ آم آلوچے سے لے کر دو ڈھائی پونڈ وزن تک کے ہوتے ہیں۔ شکل میں لمبوترے اور دل اور گردے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ بعض زرد، بعض سرخ اور زرد اور بعض سبز، اچھے آموں کی گٹھلی چپٹی ہوتی ہے۔ گودا زرد یا سرخی مائل ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بے شمار شہادتوں کی بنا پر آم کو "پھلوں کا بادشاہ" قرار دیا جاسکتا ہے۔

کانچ کا سانپ

○ شمالی امریکہ میں ایک قسم کا سانپ پایا جاتا ہے جسے کانچ کا سانپ کہتے ہیں اس کو پکڑنا سخت مشکل کام ہے کیونکہ جونہی چھوا جاتا ہے تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

بادشاہ، بادشاہ ہے

○ ناروے کے ایک بادشاہ اسپین نے اپنے ایک پالتو کتے کو ایک ریاست کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا تھا۔

عجیب بکرے

○ آسٹریلیا کے بعض علاقوں میں ایسے بکرے بھی پائے جاتے ہیں جو مچھلیاں کھاتے اور درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

نازک مزاج

○ ۱۴۸۵ء میں چلی کا بادشاہ سخت مزاج اور نازک طبیعت کا مالک تھا۔ اسے خوشبو بھی ناپسند تھی حتیٰ کہ جب اس کے آگے پھول رکھ دیا جاتا تو وہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔

مرسلہ ...... محمد شاہ کھوکھرائی، ٹنڈو محمد خان

واقعی سہولت تو حبیب بناسپتی کی ہے

صارفین کی سہولت کے لئے آسانی سے کھلنے اور بند ہونے والا ڈھکنا اور اس کے نیچے نرم فوائل کی سیل جس کی بدولت حبیب بناسپتی کی اعلیٰ کوالٹی اور تازگی آخر تک برقرار۔

بہتر تو تھا ہی اب سب سے بہترین

MASS

نٹ کھٹ کی ایک کہانی

منیر احمد راشد

گھنے جنگل میں گُولر کا ایک پیڑ تھا۔ پیڑ پر گلہری کا گھر تھا۔ گلہری کا نام گلو تھا۔ گلو گلہری کے دو بچے تھے۔ ایک کا نام تھانٹ اور کا نام تھاکھٹ۔ دونوں بہت شرارتی تھے۔ ننھے ننھے سے بچے تھے ناں..... اس لئے اسکول تو جاتے نہیں تھے۔ سارا سارا دن گھر کے پاس ایک باغ میں کھیلتے رہتے۔ ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر ..... ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے، چھلانگیں لگاتے رہتے ..... یوں تو انہیں اخروٹ، چھالیہ، گُولر اور دوسرے پھل بھی پسند تھے۔ لیکن چیری پر تو وہ جان دیتے تھے۔ آج بھی وہ سویرے سویرے گھر سے نکلے اور اپنا مخصوص نغمہ گنگناتے، باغ کی جانب روانہ ہوئے۔

نٹ کھٹ نٹ کھٹ آتے ہیں
ہنستے گاتے جاتے ہیں
پہلے ڈنٹر پیلیں گے
بعد میں کرکٹ کھیلیں گے
باغ کے اندر جائیں گے
جی بھر چیری کھائیں گے
دن بھر موج اڑائیں گے
شام ڈھلے گھر آئیں گے
نٹ کھٹ نٹ کھٹ آتے ہیں
ہنستے گاتے جاتے ہیں

وہ دونوں فوجیوں کی طرح ساتھ ساتھ چلتے اور نغمے کی تال پر دُم کو ہلاتے چلے جا رہے تھے۔ جب وہ نیم کے پیڑ کے نیچے سے گزرے تو دیکھا کہ چُرمُر مرغی کا چھوٹا بیٹا "چُوچُو" ابھی تک سویا ہوا ہے۔ چوچو بہت ہی کاہل تھا۔ وہ دن چڑھے تک سوتا اور ہر روز اسکول سے لیٹ ہو جاتا۔ اسی لئے جب وہ اسکول پہنچتا تو خالو خرگوش اس کی خوب خبر لیتے، اور چھڑی سے اس کی پٹائی لگاتے۔ خالو خرگوش اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ چوچو کی پٹائی کا قصہ سب کو معلوم تھا۔ نٹ کھٹ بھی اس سے واقف تھے۔ جب انہوں نے چو چو کو سوتے دیکھا تو انہیں شرارت سوجھی۔ انہوں نے وہیں پیڑ کے نیچے پڑی ایک نیولی اٹھائی اور نشانہ لے کر چوچو کے سر پر دے ماری۔ چوچو ہڑبڑا کر جاگا۔

"چوں چوں چوں..... کون ہے کون ہے؟" اس نے اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے خوفزدہ سی آواز میں پوچھا۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر نٹ اور کھٹ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی دبانے کی کوشش کی مگر ان کی جھٹکے کھاتی ہوئی دُموں نے چوچو کو بتا دیا کہ شرارت انہیں کی تھی۔ چوچو کو غصہ آگیا۔ تنک کر بولا۔

"کیا بات ہے ..... کیوں کھی کھی کرتے ہو؟"

"نٹ اور کھٹ نے فوراً کورس کے انداز میں گانا شروع کر دیا۔

اٹھو چو چو آنکھیں کھولو
گیلی مٹی سے منہ دھولو
بستہ لو اسکول کو جاؤ
اور استاد کی چھڑیاں کھاؤ

اپنی پٹائی کا سن کر چوچو جھینپ گیا۔ لیکن انہیں بچہ سمجھ کر ڈانٹ پلائی۔

"اچھا اچھا! جاؤ اپنا کام کرو۔"

نٹ اور کھٹ دوبارہ اپنا نغمہ گاتے باغ کی جانب چل دیئے۔

نٹ کھٹ نٹ کھٹ آتے ہیں
ہنستے گاتے جاتے ہیں

باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ مانو بلی حسب عادت گھاس پر لیٹی سو رہی ہے۔ دونوں ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گئے۔ مانو بلی گہری نیند سو رہی تھی۔

اس کی مونچھوں پر دودھ کی ایک چھوٹی سی بوند اٹکی ہوئی تھی۔ نٹ کھٹ سمجھ گئے کہ ضرور مانو بلی کسی کے گھر سے چوری چھپے دودھ پی کر آئی ہیں۔ چوری اور وہ بھی دودھ کی..... بہت بڑی بات ہے۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نٹ نے کھٹ کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا کہا اور دبے پاؤں چلتا ہوا مانو سے دور ایک درخت کی اوٹ میں چلا گیا۔ کھٹ بھی وہاں پہنچ گیا۔

"کھٹ بھائی جان! مانو بلی نے آج پھر چوری کی ہے۔" نٹ نے دبے دبے غصہ سے کہا۔

"ہاں! چوری تو بہت بڑی بات ہوتی ہے..... مگر مانو بلی کو کون سمجھائے؟"

دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ سوچ کے سمندر میں غوطے لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد نٹ بولا۔

"کھٹ بھائی جان میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ مانو بلی کو مزا چکھاؤں۔"

"ارے خیریت ..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....!!" کھٹ نے پریشانی سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں بخار تو نہیں جو یوں اول فول بک رہے ہو؟"

"نہیں کھٹ بھائی جان ..... میں ٹھیک ہوں ..... لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج مانو بلی کو مزا ضرور چکھاؤں گا۔"

کھٹ کچھ دیر تک حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مگر کیسے چکھاؤ گے مزا؟"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔" نٹ نے کہا اور پھر کھٹ کے کان میں وہ ساری ترکیب بتا دی۔ کھٹ بڑا خوش ہوا۔ دونوں نے فوراً اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ وہ بھاگے بھاگے باغ سے باہر گئے۔ نیم کے درخت سے کچی کچی نبولیاں توڑیں۔ اور جھولیاں بھر کر واپس باغ میں پہنچے۔ مانو بلی ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ دونوں نے بہت احتیاط کے ساتھ نبولیوں کو دبا دبا کر ان کا رس نکالا اور مانو بلی کے ہاتھوں پر مَل دیا۔ جب وہ اچھا خاصا رس مل چکے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اس کی کڑواہٹ کئی گھنٹے تک ختم نہیں ہوگی تو وہ وہاں سے کھسک لئے ..... اور سفیدے کے ایک اونچے درخت کی سب سے اونچی اور نازک سی شاخ پر بیٹھ کر اپنی کارستانی کے انجام کا انتظار کرنے لگے۔

سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ اس کی گرم گرم کرنیں جونہی مانو بلی کے چہرے پر پڑیں، وہ جاگ گئی۔ آنکھیں کھول کر لیٹے ہی لیٹے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کاہلی سے اٹھی اور ایک طویل انگڑائی لے کر بدن کی سستی دور کی۔ مانو بلی بہت صفائی پسند تھی۔ ہر روز صبح سویرے آنکھ کھلنے کے بعد وہ زبان سے ہاتھوں کو گیلا کر کے منہ ضرور دھوتی تھی۔ حسبِ عادت آج بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ مگر یہ کیا..... جیسے ہی گیلی زبان ہاتھ سے ٹکرائی ایک تیز کڑواہٹ اس کے

حلق کے اندر تک اترتی چلی گئی۔

"اوغ۔" مانو بلی کو فوراً قے ہوئی۔ اس کے بعد تو وہ آخ تھو..... آخ تھو کرتی..... سارے باغ میں بھاگتی اور تھوکتی پھری۔ نٹ اور کھٹ سفیدے کے پتوں میں چھپے مانو بلی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شور سن کر باغ کے پرندے اور دوسرے چھوٹے جانور بھی اپنے گھونسلوں اور بلوں سے باہر نکل آئے۔ وہ سب حیران تھے کہ بلی کو ہوا کیا ہے۔ لیکن نٹ اور کھٹ کے منہ سے ہنسی کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے تھے۔ قہقہے تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے سختی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز کو دبانے کی کوشش کی تھی مگر مانو بلی کے تیز کانوں نے ان کی کھی کھی سن لی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ہو نہ ہو ضرور یہ شرارت انہی کی ہے۔ جل بھن کر کوئلہ ہو گئی۔ مگر کیا کر سکتی تھی۔ دونوں اتنے اوپر اور ایسی نازک شاخ پر بیٹھے تھے کہ مانو بلی وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ بھنا کر رہ گئی۔ اور جب کچھ نہ بن پڑا تو پاؤں پٹختی ہوئی ہاتھ منہ دھونے کے لئے ندی کی طرف دوڑ گئی۔

نٹ اور کھٹ درخت سے نیچے اترے۔ دونوں اپنی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ ان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر لڈی ناچنے لگے۔

آہا ہُو جی آہا ہُو
آہا ہُو جی آہا ہُو
مانو بلی کو دیکھو
میٹھا میٹھا ہپ کرے
اور کڑوا کڑوا تھُو
آہا ہُو جی آہا ہُو
آہا ہُو جی آہا ہُو

وہ جھوم رہے تھے۔ چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ ان کے ساتھ سب پرندے بھی ناچ رہے تھے۔ وہ بھی مانو بلی سے تنگ تھے اور اس کی اس حالت پر انہیں بھی خوشی ہوئی تھی۔ باغ ان کی ہنسی سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف چہکار تھی۔ ایک شور تھا ..... ہنگامہ تھا..... اچانک اس شور میں نٹ کے تیز کانوں نے ایک آواز سنی۔ خشک پتوں کے چرمرانے کی آواز.....

"شاید مانو بلی آ گئی۔" اس نے سوچا۔ اس سوچ کے ساتھ ہی خون اس کی رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ دل کی دھڑکنیں رکنے لگیں..... اسے معلوم تھا کہ مانو بلی کی آج بہت سبکی ہوئی تھی۔ اگر اس نے انتقام لینے کی کوشش کی تو نٹ اور کھٹ کو جان سے ہی مار دے گی۔ ڈر کے مارے اس کی جان ہی نکل گئی تھی۔ نٹ نے کھٹ کو آواز دی۔

"بھاگو کھٹ بھائی ..... مانو بلی!!" اور پھر جھٹ پٹ دونوں ایک درخت کی سب سے اونچی شاخ پر چڑھ گئے۔

انہوں نے نیچے جھانکا تو جھاڑیوں سے مانو بلی

کے بجائے "پر ٹوٹی بطخ" برآمد ہوئی۔ وہ اپنے دونوں بازو گرائے، ڈھیلی ڈھالی چال چلتی ہوئی باغ ں داخل ہوئی۔

اسی چال کی وجہ سے سب اس کو "پر ٹوٹی" تے تھے۔ یہ کہنے پر وہ خوب چڑتی تھی۔ اور چڑانے لے کو بُرا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ اسے کاٹنے کو ی دوڑتی تھی ..... "پر ٹوٹی بطخ" باغ میں آنے کے بعد گلاب کے ایک پودے کے نیچے جا کر لیٹ ا۔ اور چند لمحوں کے بعد سو گئی۔ پر ٹوٹی بطخ بہت ی کاہل تھی۔ کوئی کام کاج نہیں کرتی تھی۔ اسے و بس سونے کا شوق تھا۔ رات بھر سوتی۔ دن پڑھے تک سوتی رہتی۔ پیٹ بھرنے کے لئے تالاب پر جانا بھی اس کی جان پر آتا تھا۔ اس کا بس چلتا تو بغیر کھائے پیئے ساری زندگی گزار دیتی۔ مگر پیٹ کا جہنم بھرنے کے لئے اسے تالاب میں اترنا ہی پڑتا تھا۔ جو بھی تھوڑا بہت اسے مل جاتا کھا کر باہر آتی اور کسی قریبی سایہ دار جگہ پر پسر کر سو جاتی۔

بھاگ دوڑ اور خوف کی وجہ سے نٹ کھٹ کی سانس پھول گئی تھی۔ ہانپتے ہوئے انہوں نے بی بطخ کو دیکھا۔ پہلے تو اطمینان ہوا کہ مانو بلی نہیں آئی تھی۔ پھر اپنا کھیل خراب ہونے پر انہیں غصہ آنے لگا۔ انہوں نے بی بطخ کو بھی رگید نے کا پروگرام بنایا۔ دونوں نیچے اترے۔ بی بطخ کے پاس پہنچے۔ وہ سو رہی تھی۔ دونوں نے بلند آواز میں گانا شروع کر دیا۔

بطخ بی اے بطخ بی کیوں رہتی ہو تھکی تھکی
ہر دم سوتی رہتی ہو کرتی ہو نہ کام کوئی
ڈھیلی ڈھالی پھرتی ہو کہتے ہیں سب پر ٹوٹی
میرا کہنا گر مانو بات بتاؤں میں سچی
صبح سویرے اٹھا کرو ٹھنڈا پانی پیا کرو
لے کر پھر اللہ کا نام باغ میں ورزش کیا کرو
بطخ بی اے بطخ بی
ہو جاؤ گی تم اچھی

بطخ بی نے آنکھیں کھولیں اور پر ٹوٹی کہنے پر وہ انہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ایک بار پھر خشک پتے چرمرانے کی آواز آئی۔ نٹ کھٹ ایک بار پھدکتے ہوئے پیڑ پر چڑھ گئے۔ مگر اس بار بھی بلی نہیں آئی تھی۔ بلکہ پتے ہوا سے ہلے تھے۔

نٹ کھٹ نے سوچا کہ اس طرح خوف کے عالم میں بھاگتے پھرنے سے بہتر ہے کہ آج گھر جا کر آرام کیا جائے۔ انہوں نے وہیں پیڑ پر بیٹھے بیٹھے دور ندی کی طرف دیکھا۔ مانو بلی اپنے ہاتھ دھونے میں مگن تھی۔ وہ دونوں پیڑ سے نیچے اترے۔ اور اپنا نغمہ گنگناتے ہوئے گھر کی طرف چل دیئے۔

نٹ کھٹ نٹ کھٹ آتے ہیں
ہنستے گاتے جاتے ہیں

پیارے بچو! اب نٹ اور کھٹ بڑے ہو گئے ہیں۔ اب وہ شرارتیں نہیں کرتے۔ لیکن جنگل میں جو بچہ بھی شرارت کرتا ہے، لوگ کہتے ہیں، "یہ بڑا نٹ کھٹ ہو گیا ہے۔"

بستہ ہے میرا وزنی

عبدالقادر

میں داستان اپنی جا کر کسے سناؤں
بستہ ہے میرا وزنی، اسکول کیسے جاؤں

اوقات میری کیا ہے، انسان ہوں ذرا سا
اربابِ مدرسہ نے پھندے میں خوب پھنسا
سمجھا مجھے ہے شاید کنگ کانگ کا نواسا
مجھ پر پہاڑ لادا، کیسے قدم بڑھاؤں
بستہ ہے میرا وزنی اسکول کیسے جاؤں

میں بوجھ ڈھو رہا ہوں، حالت ہے میری خستہ
طاقت کے واسطے میں کھاتا ہوں روز پستہ
اس بوجھ سے کسی دن نکلے گا میرا بھرتہ
لازم ہے ایک تگڑا مزدور ساتھ لاؤں
بستہ ہے میرا وزنی، اسکول کیسے جاؤں

کوئی خدا کا بندہ میری مدد کو آئے
احسان ہوگا مجھ پر، جا کر کرین لائے
حالت میری بُری ہے، کوئی مجھے بچائے
چکی میں پس رہا ہوں، کیسے نجات پاؤں
بستہ ہے میرا وزنی، اسکول کیسے جاؤں

اسلامیات، عربی، کیمسٹری، ریاضی
اردو زبان اپنی، انگریزی اور سندھی
پڑھتا ہوں مدرسے میں مضمون دوسرے بھی
لوہے کے اِن چنوں کو میں کس طرح چباؤں
بستہ ہے میرا وزنی، اسکول کیسے جاؤں

بیٹھے ہیں کرسیوں پر جو صاحبانِ دانش
ان سے ہے دست بستہ اتنی مری گزارش
اس بوجھ کو گھٹائیں ہوگی بڑی نوازش
بارِ گراں ہے مجھ پر، سر کس طرح اٹھاؤں
بستہ ہے میرا وزنی، اسکول کیسے جاؤں

ریورس سوئنگ

بن یامین

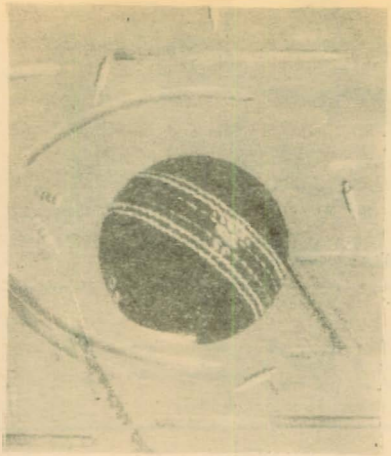

یہ ۱۹۹۲ء کا قصہ ہے۔ پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان ٹیسٹ سیریز کا ایک میچ کھیلا جا رہا تھا۔ پاکستان کے مایہ ناز بولر، وسیم اکرم اور وقار یونس نے انگلینڈ کے بلے بازوں کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا۔ انگلینڈ کے بلے باز دوہری پریشانی کا شکار تھے۔ ایک تو ان سے وسیم اکرم اور وقار یونس کی ایک گیند بھی صحیح سے نہیں کھیلی جا رہی تھی، دوسرے اپنے ہی ملک کے عوام کے سامنے ان کو زبردست شکست اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایلن لیمب جیسا مستند اور منجھا ہوا بلے باز بھی وسیم اور وقار کی طوفانی گیندوں پر بغلیں جھانک کر رہ جاتا۔ ایلن لیمب کچھ زیادہ ہی پریشان تھا۔ کیونکہ پوری ٹیم کا بوجھ اسی کے کاندھوں پر تھا لیکن اس نے اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کا جو طریقہ ڈھونڈا وہ انتہائی گھٹیا تھا۔ اس نے ڈرامائی طور پر امپائر سے اچانک یہ شکایت کی کہ پاکستان کے یہ دونوں بولر گیند کی سطح کو کھرچ کر خراب کر رہے ہیں تاکہ گیند زیادہ بہتر طریقے سے سوئنگ ہو سکے۔ کرنے کو تو ایلن لیمب نے شکایت کر دی مگر پہلے سے کہیں بڑی شکست اس کا انتظار کر رہی تھی۔ امپائر نے ایلن لیمب کی شکایت کا فوری طور پر نوٹس لیا اور اس گیند کو پرانی، یکساں طور پر استعمال کی ہوئی گیند سے بدل دیا۔ گیند کو تبدیل کروانا، ایلن لیمب کی طرف سے وسیم اور وقار کے لئے ایک چیلنج تھا جس کو انہوں نے قبول کیا اور تبدیل کی ہوئی گیند سے انگلینڈ کی باقی ماندہ ٹیم کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ ایلن لیمب پر غلط الزام تراشی کی وجہ سے جرمانہ بھی عائد کر دیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس زبردست شکست کے بعد یہ متعصب انگریز خاموش ہو کر بیٹھ جاتے مگر انہوں نے پاکستانی بولروں کے خلاف اپنی مہم اور تیز کر دی اور وسیم اور وقار پر اپنے بے سروپا الزامات کا سلسلہ جاری رکھا جس کو وہ کبھی ثابت نہ کر سکے۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ نیوزی لینڈ کے دورے کے موقع پر اس فوٹو گرافر کے لئے بہت

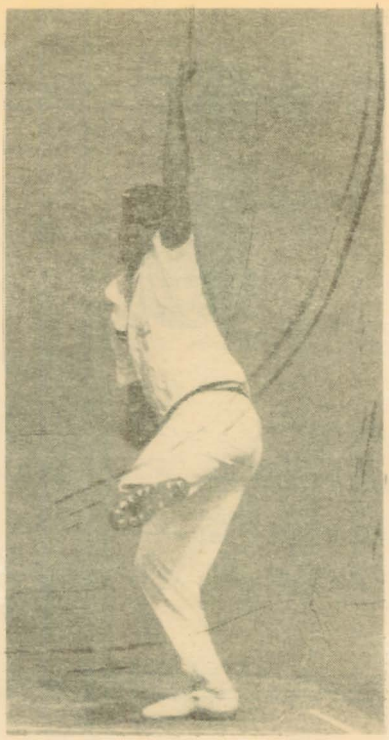

پاکستانی فاسٹ بالر وقار یونس
اپنے خطرناک ایکشن میں

انگلستان کے فاسٹ بالر آئن بوتھم
بالنگ کراتے ہوئے۔

بڑی رقم کا انعام کا اعلان کیا گیا جو وسیم اور وقار کی بال خراب (Ball Tampering) کرنے کے لمحے کی تصویر اتارے گا۔ یوں وسیم اور وقار ایک ایک لمحے کی لئے تماشائیوں اور فوٹو گرافروں کی نظروں میں رہے مگر کیا اس طرح انہوں نے وسیم اور وقار کو تباہ کن سوئنگ گیندیں کرانے سے روک لیا؟ لمحے لمحے بھر کی کڑی نگرانی میں رہنے کے باوجود وسیم اکرم اور وقار یونس نے نیوزی لینڈ کی ٹیم کے پرخچے اڑا دیئے۔

یہ سوچ کر حیرت کے ساتھ ساتھ ہنسی بھی آتی ہے کہ آخر یہ لوگ کتنے ڈھیٹ ہوں گے جنہوں نے بے شمار دفعہ شکست کا سامنا کرنے کے باوجود اپنی الزام تراشیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی بے بسی کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے

وقار یونس (دائیں) اور آئن بوتھم (بائیں) کی بائنگ کا موازنہ۔ آئن بوتھم کی گیند کی چمکدار سطح سامنے ہے۔ گیند کے ایک طرف ہوا ہموار اور دوسری طرف متلاطم ہے لہٰذا گیند متلاطم ہوا کی سمت جھکتی ہے۔ وقار یونس کی گیند کھردری سطح کو سامنے رکھتا ہے۔ پھینکنے کے دوران گیند کے دونوں طرف ہوا متلاطم ہو جاتی ہے لہٰذا بالکل ایک ہی ایکشن میں گیند کو بالکل مخالف سمت میں گھمایا جا سکتا ہے۔ اس کو ریورس سوئنگ کہتے ہیں۔

بالآخر آئی سی سی سے ایک قانون منظور کروایا جس کی رو سے ہر بولر ہر اوور کے اختتام پر امپائر کو گیند دکھائے گا۔ حال ہی میں جو شارجہ کپ ہوا تھا، اس میں یہ قانون نافذ کیا گیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔

ایسی پابندیاں پاکستانی بولروں کے لئے نئی نہیں۔ اس سے پہلے جب وسیم اکرم نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا تو وہ اپنی خطرناک باؤنسر گیندوں کی وجہ سے مشہور تھے۔

ان کے باؤنسر بیٹسمین کے بالکل قدموں کے پاس سے اتنی اچانک اٹھتے کہ بڑے بڑے مستند بلے باز کیچ تھمانے پر مجبور ہو جاتے۔

لہٰذا ان مغربی کھلاڑیوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ایک اوور میں ایک سے زیادہ باؤنسر گیند کروانے پر پابندی لگوا دی۔ یہ حرکت ان کی بے بسی کو ظاہر کرتی تھی۔

لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ باؤنسر گیندوں پر پابندی کا نتیجہ مغربی کھلاڑیوں کے حق میں اور بھیانک صورت میں نکلا کیونکہ وسیم اکرم اور وقار یونس نے باؤنسر پر پابندی کے بعد اپنی تمام تر محنت سوئنگ گیندوں میں صرف کی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کر لی جس تک دنیا کا کوئی دوسرا

بولر نہیں پہنچ سکا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سوئنگ گیندیں تو دنیا کے دوسرے بولر بھی کراتے ہیں آخر پاکستانی بولروں کی سوئنگ گیندوں میں کیا خاص بات ہے اور صرف پاکستان کے بولروں پر ہی گیند خراب کرانے کا الزام کیوں لگتا ہے۔

دنیا کے باقی تمام بولر سوئنگ گیند کرانے کے لئے گیند کی ایک سائیڈ کو ممکنہ حد تک چمکدار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور گیند کراتے وقت بیٹس مین کے سامنے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گیند کراتے وقت بیٹسمین کے سامنے گیند کی یہی سائیڈ رکھی جاتی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ آپ نے دنیا کے تمام بولروں کو اپنے کپڑوں سے گیند کو چمکاتے دیکھا ہوگا)

اس کے برعکس پاکستانی بولر گیند کی ایک سائیڈ کو ممکنہ حد تک کھردرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور گیند کراتے وقت یہی کھردری سطح بیٹسمین کے سامنے ہوتی ہے (پاکستانی بولروں کی سوئنگ گیندوں کو ریورس سوئنگ (Reverse Swing کہا جاتا ہے)

گیند کی یہ سطح کھردری کیسے کی جاتی ہے؟ یہی بات آج کل کرکٹ کی دنیا میں ہنگامے کا سبب بنی ہوئی ہے۔ پاکستانی بولروں پر الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ وہ گیند کی ایک سطح کو اپنے ناخنوں سے کھرچ کر خراب کرتے ہیں۔ یہ الزام انتہائی بودا اور بے بنیاد ہے۔ انتہا یہ ہے کہ وسیم اکرم اور وقار یونس کی ایک ایک گیند کی نگرانی کے باوجود یہ الزام اسی تواتر کے ساتھ لگایا جا رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر دوسرے بولروں کی طرح پاکستان کے بولر بھی سوئنگ گیند کے لئے گیند کی چمکدار سطح استعمال کرتے ہوتے تو اب تک گیند چمکانے پر بھی پابندی لگ چکی ہوتی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گیند کی ایک سطح پاکستانی باؤلر کس طرح کھردری کرتے ہیں؟ تو اس کے لئے پاکستانی بولرز برسوں سے مشق کرتے چلے آ رہے ہیں کہ گیند اس طرح کرائی جائے کہ اس کی ایک ہی سائیڈ زمین پر پڑے اس طرح وہ سطح گھس کر جلد ہی کھردری ہو جاتی ہے۔

بہتر یہ ہوتا کہ الزام لگانے والے ممالک الزام لگانے کی بجائے ریورس سوئنگ کی مشق کرتے ..... لیکن شاید ان میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ریورس سوئنگ کا موجد عمران خان کو کہا جاتا ہے جنہوں نے آج سے پندرہ سال قبل یہ ٹیکنک ایجاد کی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ مہارت اپنے بعد آنے والے بولروں کو منتقل کی اور وسیم اکرم اور وقار یونس نے تو اس تکنیک میں کمال ہی کر دکھایا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ریورس سوئنگ ہے کیا؟ دنیا میں بہت کم بولر ایسے ہیں جو Inswinger (وہ گیند جو باہر سے اندر کی طرف آئے) اور

آؤٹ سوئنگر (وہ گیند جو اندر سے باہر کی طرف جائے) دونوں کرا سکیں جو کراتے بھی ہیں تو ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے ہے کون سی گیند کرانے جا رہے ہیں۔

لہٰذا بیٹسمین ذہنی طور پر گیند پہلے سے کھیلنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ریورس سوئنگ میں سب سے خطرناک بات یہی ہے کہ بولر ایک ہی ایکشن میں ان سوئنگ اور آؤٹ سوئنگ دونوں کرا سکتا ہے جس کو کھیلنے میں بیٹسمین قطعی ناکام رہتا ہے۔

گیند کی کھردری سطح کس طرح ریورس سوئنگ میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے انگلینڈ کی یونیورسٹیوں میں نامی گرامی سائنس دانوں نے تحقیقات کی ہیں جنھوں نے امریکی خلائی ادارے ناسا (NASA) میں بہت عرصے تک کام کیا ہے۔ ایسے ہی سائنس دانوں میں ایک نام ربی مہتہ (Rabi Mehta) کا ہے۔ انہوں نے جدید ترین آلات کی مدد سے سوئنگ گیند کرانے میں مدد گار چیزوں کا پتہ لگایا۔ اس میں گیند کی رفتار، گیند کی سمت اور اس کی سلائی کے درمیان زاویہ، گیند گھومنے (Spin) کی رفتار وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چیزیں اتنی تفصیل میں ہیں کہ اگر ہم اس کو بیان کرنے بیٹھ جائیں تو شاید چند ایک کے سوا کسی کی سمجھ میں نہ آ سکے۔ لیکن ہم آپ کو مختصراً اور سادہ الفاظ میں ان کی اس تحقیق کے متعلق ضرور بتائیں گے جو پاکستانی بولروں کی ریورس سوئنگ (Reverse Swing) کے متعلق ہے۔ مہتہ نے انگلستان کے بہترین سوئنگ بولر آئن بوتھم اور پاکستان کے باؤلر وقار یونس کی گیندوں کا موازنہ کیا۔ مہتہ نے بتایا کہ آئن بوتھم سوئنگ گیند کرانے کے لئے گیند کو چمکا کر رکھتا ہے اور جب بیٹسمین کو گیند کراتا ہے تو گیند کی چمکدار سطح بیٹسمین کے سامنے ہوتی ہے۔ گیند چونکہ ہوا کو چیرتی ہوئی جاتی ہے لہٰذا گیند کے ایک طرف ہوا متلاطم ہو جاتی ہے۔ اور دوسری طرف جہاں گیند کی چمکدار سطح ہوتی ہے ہوا ہموار رہتی ہے۔ نتیجتاً گیند اس طرف جھک جاتی ہے جہاں پر ہوا متلاطم ہوتی ہے۔

آئن بوتھم کے برعکس وقار یونس گیند کی کھردری سطح استعمال کرتا ہے۔ کھردری سطح کی وجہ سے گیند کے دونوں طرف ہوا متلاطم (Turbulant) ہو جاتی ہے اور گیند کسی طرف بھی اچانک گھوم سکتی ہے اور یہ چیز بیٹسمین کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

مغربی سائنس دانوں نے وسیم اکرم اور وقار یونس کی گیندوں پر جو ریسرچ کی ہے اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اہل مغرب ان دونوں بولروں کے ہاتھوں پریشان ہیں لیکن کیا ان کی یہ تحقیقات ایک بھی وسیم اکرم یا وقار یونس پیدا کر سکتی ہے؟ ہمارے خیال میں نہیں کیونکہ اس کے لئے تکنیک کے ساتھ جذبے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

مزیدار گھونسلے

جنہیں چین میں مزے لے لے کر کھایا جاتا ہے

تصدق حسین کوثر

عنوان پڑھ کر یقیناً آپ چونکے ہونگے۔ لیکن اصل حیرت آپ کو اس وقت ہوگی جب ہم آپ کو ان گھونسلوں کے متعلق بتائیں گے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ دنیا میں ایسے گھونسلے بھی پائے جاتے ہیں جنہیں لوگ غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ بتانے کے لئے ہم آپ کو تھائی لینڈ کے مشرقی ساحلوں کی طرف لے چلتے ہیں جہاں پر غاروں کا ایک جال سا بچھا ہوا

ہے۔ ان پراسرار غاروں میں سینکڑوں ہزاروں سال سے ایک خاص قسم کی چھوٹی سی چڑیوں کے گھونسلے جمع کئے جارہے ہیں۔ نسبتاً چھوٹی ہونے کی وجہ سے ان چڑیوں کو سوئفٹ لیٹ کہا جاتا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو سفید گھونسلے بناتی ہیں۔ یہ خلیج بنگال میں فلپائن سے انڈونیشیا تک جزائر میں پائی جاتی ہیں اور دوسری وہ ہیں جو سیاہ گھونسلے بناتی ہیں۔ یہ شمال میں ہمالیائی سلسلے تک بسیرا کرتی ہیں۔

گھونسلے بنانے کا کام نر سوئفٹ لیٹ انجام دیتے ہیں۔ یہ گھونسلے گھاس پھونس یا تنکوں کے نہیں ہوتے۔ بلکہ گھونسلے کی تیاری میں یہ چڑیاں اپنا لعابِ دہن استعمال کرتی ہیں۔ ان چڑیوں کی زبان کے نیچے لعابِ دہن پیدا کرنے والے غدود سے ایک خاص قسم کی لیس دار مادہ فوارے کی طرح ان کی چونچ سے باریک تار کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔ جس سے وہ اپنا گھونسلہ تیار کرتی ہیں۔ یہ سفید ربر جیسے نیم شفاف پیالہ نما گھونسلے، جو دیکھنے میں نفیس چینی مٹی کے بنے نظر آتے ہیں، غار کی دیوار کے ساتھ سیمنٹ جیسی مضبوطی سے چپکے ہوتے ہیں۔

عمدہ چینی کھانوں میں چڑیوں کے گھونسلے کا سوپ بہت توانائی بخش اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ گھونسلے کا سوپ زیادہ تر امیر گھرانوں میں تیار کیا جاتا ہے لیکن ہانگ کانگ کے اعلیٰ ریستورانوں میں بھی اس قیمتی سوپ کا ایک پیالہ ۵۰ امریکی ڈالر میں مل سکتا ہے۔

چینی لوگ صدیوں سے ان گھونسلے کا سوپ اپنے بچوں کو اس عقیدے سے پلا رہے ہیں کہ یہ ان کی نشوونما میں کافی مدد گار ثابت ہوگا۔ لوگ اسے ایک ٹانک کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

سوئفٹ لیٹ کے ان گھونسلوں کے استعمال کے بارے میں اب ایک نئی تحقیق سامنے آئی ہے۔ چینی جڑی بوٹیوں اور حیوانی ادویات پر تحقیق کرنے والے ڈاکٹر کونگ نے گھونسلوں کے مفید اور توانائی بخش ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ ان گھونسلوں میں پانی میں حل ہونے والا گلائیکو پروٹین بھی پایا جاتا ہے۔ یہ جزو انسانی جسم میں مدافعتی نظام کے تحت خلئے کی تقسیم کا عمل تیز کرنے میں مدد گار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کونگ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر ہم گھونسلے میں شامل ایک انتہائی مؤثر جزو "میٹو جن" کو کسی طرح الگ کر لیں تو ایڈز جیسے مہلک مرض کے لئے تیار کی جانے دوا زیڈنی میں اسے شامل کر کے انسانی جانوں کے بچانے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

سوئفٹ لیٹ چڑیاں اپنے گھونسلے ان سمندری غاروں کے اندر بہت بلندی پر بناتی ہیں جہاں پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان غاروں میں جابجا چونے کی قلمی جھالریں اوپر سے نیچے کی طرف لٹکتی نظر آتی ہیں۔ گھونسلے جمع کرنے والے غار کی دیواروں، نوکیلی چٹانوں اور

لرزتے چکنے نازک بانسوں کا سہارا لے کر جان ہتھیلی پر رکھے بڑی مشکل سے اوپر پہنچتے ہیں۔ سینکڑوں فٹ غار کی چھت تک بانسوں کو جوڑ کر اوپر پہنچنا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ ذرا سی غفلت کی صورت میں وہ سینکڑوں فٹ نیچے غار کی پتھریلی سطح پر گرنے کے بعد کسی صورت میں بھی نہیں بچ سکتے۔ غار کی دیوار کے ساتھ مضبوطی سے چپکے ہوئے ربڑ جیسے ان گھونسلوں کو الگ کرنے کے لئے ایک مخصوص اوزار استعمال کیا جاتا ہے جسے رادا کہا جاتا ہے۔ یہ تین سروں والا نوکیلا آہنی اوزار ہوتا ہے۔

چڑیوں کا گھونسلہ چھوڑنے اور دوبارہ اس مقام پر گھونسلہ بنانے کے لئے واپس آنے کے دوران کچھ عرصے کا وقفہ ہوتا ہے۔ ایک موسم میں عموماً تین بار گھونسلے جمع کئے جاتے ہیں۔ پہلے دو گھونسلے اس وقت الگ کئے جاتے ہیں جب چڑیوں نے گھونسلوں میں انڈے نہیں دیئے ہوتے۔ اور تیسری بار گھونسلوں کو اس وقت تک نہیں چھیڑا جاتا جب تک کہ چڑیوں کے بچوں کے پر نہیں نکل آتے۔ گھونسلے جمع کرنے کا یہ نظام الاوقات صدیوں سے اسی طرح جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چڑیوں کی نسل اب تک محفوظ ہے۔ ہانگ کانگ چائنیز یونیورسٹی کے کیمسٹری کے پروفیسر ین چیونگ کونگ کے بقول سونفٹ لیٹ چڑیوں کے گھونسلے پندرہ سو سال سے چین میں کھائے جا رہے ہیں۔ اٹھارویں صدی تک یہ گھونسلے چینی کھانوں میں اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ انہیں دواؤں میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ آج کل ہانگ کانگ ان گھونسلوں کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ دنیا میں ان گھونسلوں کی ساٹھ فی صد کھپت ہانگ کانگ میں ہوتی ہے۔ تقریباً ہر سال ایک سو ٹن گھونسلے ہانگ کانگ درآمد کئے جاتے ہیں جن کی مالیت دو کروڑ پچاس لاکھ امریکی ڈالر ہوتی ہے۔

گھونسلے اتارنے والے ان گھونسلوں کے مالک نہیں ہوتے بلکہ ملازم ہوتے ہیں۔ اصل مالک ہفتے میں ایک بار غاروں کا چکر لگاتے ہیں اور جمع شدہ گھونسلے لے کر اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں تاکہ اگر کوئی ان قیمتی گھونسلوں کو لوٹنے کی کوشش کرے تو اس کا مقابلہ کر سکیں۔

مینڈک کے سر پر سینگ

برازیل میں مینڈکوں کی ایک خاص قسم کتوں کی طرح بھونکتی ہے۔ ڈراؤنی شکل والے ان مینڈکوں کی آنکھ کے قریب سر پر سینگ نکلے ہوتے ہیں۔ یہ مینڈک اس قدر زہریلے ہوتے ہیں کہ ان کے کاٹنے سے گھوڑے جیسا طاقتور جانور بھی مر جاتا ہے۔

دو سروں والے کچھوے

سیام میں دو سروں والے کچھوے عام پائے جاتے ہیں ان کا ایک سر آگے کی طرف اور دوسرا پیچھے کی طرف ہوتا ہے اس کشمکش میں وہ نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے صرف دائرے میں گھومتا رہتا ہے۔

مرسلہ..... یاسر بن نثار، راولپنڈی

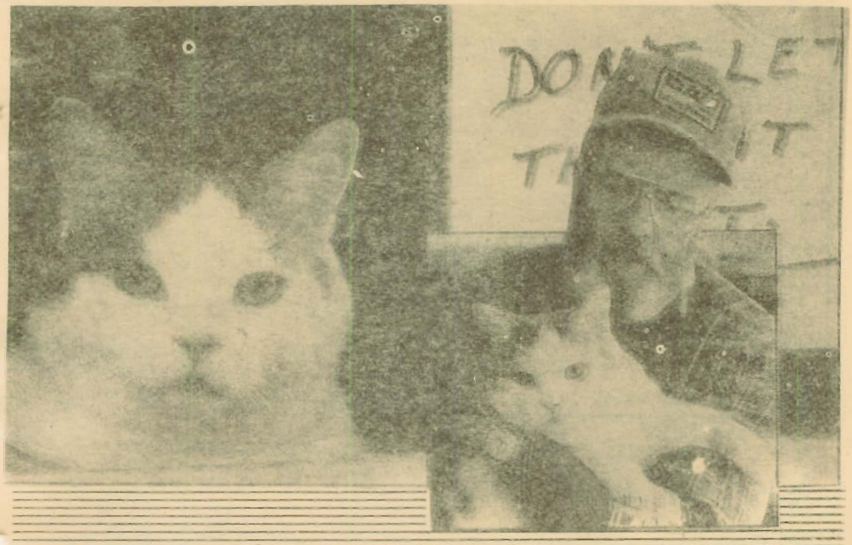

شریر بلی نظر بند کر دی جائے

کینیڈا اور آنکھ مچولی کی عدالت کا متفقہ فیصلہ

جون کے شمارے میں ہم نے قارئین کی عدالت میں ایک شریر بلّی کا مقدمہ" پیش کیا تھا۔ تقریباً ایک سو سے زائد ساتھیوں نے اس مقدمے کا جج بننا قبول کیا اور مقدمے کی باریکیوں پر خوب غور کر کے

ہمیں اپنا اپنا فیصلہ بھیجا۔ چونکہ مقدمے میں ملوث شریر بلی کے ہاتھوں مسز این اور انکے شوہر کی زندگی تنگ تھی اس لئے ہر جج نے اپنی سمجھ کے مطابق انصاف پر مبنی فیصلہ دیا۔ لیکن بعض فیصلے تو نہایت اچھوتے تھے۔ ایک صاحب کا فیصلہ تھا کہ مسز این کو اپنے گھر میں کتا پال لینا چاہئے تاکہ شریر بلی گھر میں داخل ہی نہ ہو سکے۔ ایک کی رائے تھی کے مسز این جنہوں نے بلی پر مقدمہ دائر کیا تھا، انہیں چاہئے کہ بلی سے دوستی کر لیں اور اسے اپنے گھر پر رکھ لیں۔ کچھ ججوں کی رائے میں بلی کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے دو اشرف المخلوقات کی زندگی اجیرن تھی۔ چند ججوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ بلی پر لگائے گئے الزامات سرے سے جھوٹ اور غلط بیانی پر مبنی ہیں۔ ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ بلی کو کہیں دور جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ کسی نے لکھا کہ بہتر ہو گا کہ اسے چڑیا گھر میں بھیج دیا جائے۔ بہت سوں نے رائے دی کہ اصل قصور بلی کے مالک کا ہے اس پر جرمانہ عائد ہونا چاہئے اور اسے پابند کرنا چاہئے کہ وہ آئندہ بلی کے ساتھ ہی گھر سے باہر نکلا کرے۔ ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھ دی جائے تاکہ اس کے آنے جانے کا پتا چل سکے۔

آنکھ مچولی کے جج صاحبان کے اتنے ڈھیر سارے فیصلوں کو پڑھ کر ہماری عقل چکرا گئی کیونکہ ہر ایک نے اپنے فیصلے کے ساتھ بڑے مضبوط دلائل دیئے تھے۔ بہرکیف کینیڈا کی عدالت نے مقدمے کی کارروائی سن کر شریر بلی کو گھر میں نظر بند کر دینے کا حکم سنایا۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں کم و بیش وہی دلائل دیئے جو آنکھ مچولی کے درج ذیل ساتھیوں نے تحریر کئے ہیں۔

عثمان احمد، لاہور۔ شاہ زیب اسلم، کراچی۔ حسن انظار عثمانی، لاہور۔ محمد رفیق، راولپنڈی۔ تنویر عالم، ملتان۔ رمضان بشیر، گجرات۔ مصحف سول، کراچی۔ نعمان محمود، کراچی۔ رضیہ شبنم بخاری، رحیم یار خان۔

ان ججوں میں سب سے اچھے دلائل رضیہ شبنم بخاری نے تحریر کئے ہیں اس لئے انہیں انعام کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ جو جانور انسانوں کے لئے خطرناک نہیں ہوتے ان میں سے ایک بلی بھی ہے۔ اگر مالک اپنی بلی کی طبیعت سے واقف ہے اور اس کے باوجود بلی کسی کو نقصان پہنچا دے تو ذمہ دار مالک ہے۔ جب مالک کے علم میں یہ بات آ گئی تھی کہ بلی پڑوسی کے لئے تکلیف دہ ہو گئی ہے تو بلی کو کنٹرول میں رکھنا اس کا فرض تھا۔ بلی کی حرکات کے خلاف شکایات کے باوجود اگر بلی کو شرارتیں کرنے کی

آزادی حاصل ہے تو پھر بلی کے مالک کو یہ پابندی کرنی ہوگی کہ وہ بلی کو گھر میں رکھے اس لئے عدالت یہ فیصلہ سناتی ہے کہ بلی کو گھر سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ کینیڈا کی عدالت نے بھی بلی کو گھر میں نظر بند کرنے کا فیصلہ ان ہی دلائل کی بنیاد پر دیا تھا۔

ادارہ آنکھ مچولی کو درج ذیل ساتھیوں کے فیصلے موصول ہوئے :

خرم طارق جگنو، گوجرانوالہ۔ عاطف ندیم خاں، ساہیوال۔ مرتضیٰ علی خاں، کراچی۔ کاشف جمیل، کراچی۔ علی حماد، حیدر آباد۔ تانبدہ ریاض، لاہور۔ ثریا خانم، حیدر آباد۔ قرۃ العین جاوید، افشاں فاضل، راولپنڈی۔ کاشف ریاض، لاہور۔ محمد افضل ساگر مچھوی، بلوچستان۔ عبدالحفیظ بلوچ، پسنی مکران۔ فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔ محمد ہدایت اللہ شاہ، ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ شیر نواز گل، پشاور۔ ذیشان احمد خوشاب، محمد بلال، مینگورہ۔ سجاد جان قریشی، ٹنڈو محمد خان گوٹھ۔ وجیہا آفریدی، کراچی۔ فرح، کراچی غلام نبی، راولپنڈی۔ بلاچ بلوچ پسنی۔ عبدالوقاص، کراچی۔ نعمت اللہ ساجن، سری کہن۔ عابد انور، کراچی۔ فرح ضیا، لطیف آباد۔ نسیم احمد، میانوالی۔ عبدالحفیظ شاہد، محمد عرش انصاری، مخدوم پور سیدہ شیر بانو بخاری، رحیم یار خاں۔ شفیق احمد، نازش کنول، کراچی۔ سید وسیم جیلانی، کراچی۔ منیر احمد فردوس، ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ مسعود احمد سومرو، گڈو، سید محمد ریحان عارف، کراچی۔ ثمینہ یاسمین، کراچی۔ سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ محمد نذیر خطاط، سوات۔ سید عدنان علی، سید عثمان علی، کراچی۔ فرحین طاہر شمسی، محمد عظیم قریشی، اسلام آباد۔ ایم قاسم اویس، راولپنڈی کینٹ۔ پرنس عرفان، ضلع اٹک۔ حسن رفیق، راولپنڈی کینٹ۔ محمد فاروق انجم، کراچی۔ محمد معظم اعزاز، ملتان۔ عبدالمجید عثمانی، جھنگ شہر۔ محمد منیب بھکر۔ اسما ضم لاڑک، کراچی۔ نازیہ اسلم، صائمہ اسلم، کراچی۔ ساجد خان، کراچی۔ محمد فاروق، کراچی۔ کاشف بشیر، ساہیوال۔ عبداللہ، کراچی۔ شاہد بن عزیز، کراچی۔ منیر، کراچی۔ ایم اے قریشی، اسلام آباد۔ سعدیہ خان، کراچی۔ راشد احمد کاظمی، ضلع میرپور خاص۔ شازیہ، کراچی۔ منصور داؤد، سکھر۔ مولا بخش بلوچ، ساجن گوٹھ۔ عمیر جمیل، نواب شاہ۔ سید علی عمران، حیدر آباد۔ محمد عامر زکریا، کراچی۔ عاطف عطا، کراچی۔ خورشید انور، کراچی۔ مدیحہ اسماعیل، کراچی۔ قیصرہ امین چوہدری، برنالہ۔ نازیہ غوری، کراچی۔ نعمان غوری، کراچی۔

شربتِ نورس انتہائی کاوش، جدید ترین مشینری کی مدد اور ماہرین کی انتھک کوششوں کو یکجا کر کے سائنٹیفک اصولوں کے تحت تکمیل کو پہنچتا ہے۔ نورس کا ذائقہ ہی اس کی خوبی نہیں بلکہ اس کا ایک ایک گھونٹ مفرح اور صحت بخش ہے۔ اسے دودھ، آئسکریم، کسٹرڈ اور قلفی میں استعمال کرنے سے لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور موسم برسات میں تازہ لیموں کے ساتھ نورس فریشس لائم موسم کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

نورس قومی مشروب

احمد فوڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی 112، لوئر روڈ، سائٹ، کراچی 75700
فیکس: 021-2564570, 021-298195 ٹیلیکس: 21651 AHMED PK
فون نمبر 296045 (5 لائنیں)

ORIENT

اژدھے کا لنچ...

یہ حیرت انگیز واقعہ کچھ ہی عرصہ قبل کا ہے۔ ہم لوگ ایک جیپ میں سوار دریا کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے۔ اچانک میری اور میرے ساتھی ایڈیسن کی نظر جھاڑیوں کے درمیان ایک مری ہوئی ہرنی پر پڑی۔ ہم نے گاڑی اس مری ہوئی ہرنی سے کچھ فاصلے پر روکی۔ لیکن یہ کیا؟ تقریباً دس فٹ کا ایک لمبا اژدہا بھی جھاڑیوں کے درمیان آڑا ترچھا پڑا ہوا تھا۔ اس کا رخ مردہ ہرنی کی طرف تھا۔

ہماری گاڑی اس اژدہے سے تقریباً تین فٹ کے فاصلے پر رکی تھی لیکن اژدہے پر کوئی اثر نہیں ہوا، وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ہمارے لئے گاڑی سے اترنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے ہم اپنی گاڑی میں ہی بیٹھے رہے اور اژدہے کے وہاں سے ہٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ اتنے میں اژدہے نے حرکت کی اور ہرنی کی طرف بڑھا اس کی لمبی زبان بھی باہر نکل آئی تھی۔

اژدہے نے ہرنی کے قریب پہنچ کر اس کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر ہرنی کے سر کے پاس رک گیا۔ میرے خدا! پھر ہم نے وہ منظر دیکھا جس کے متعلق ہم نے صرف سنا اور پڑھا تھا۔ اژدہے نے اپنا منہ کھولا اور پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنے منہ کو ناقابل یقین حد تک چیر لیا اور پھر ہرنی کے پورے سر کو نگل لیا۔ یہ اتنا حیرت انگیز منظر تھا کہ ہم فوراً گاڑی سے نیچے اتر آئے اور اس منظر کو کیمرے کے ذریعے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔

گردن نگلنے کے ساتھ ہی اژدہے کے منہ سے ہڈیاں ٹوٹنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں پھر ایک قدرے زور دار کڑاکے کی آواز آئی اور خاموشی چھا گئی۔ گردن نگلنے کے ساتھ ساتھ اژدہا اپنے شکار کے گرد لپٹ بھی گیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ اس حالت میں تقریباً ایک گھنٹہ تک پڑا رہا پھر اس نے اپنا منہ دوبارہ کھولا اور اس دفعہ وہ اپنے شکار کا پورا اگلا حصہ نگل گیا۔ اس کے بعد پھر وہ کچھ دیر کے لئے ساکن ہو گیا اس مقام پر اندھیرا چھانے اور خطرناک درندوں کی موجودگی کی بنا پر ہمیں وہاں سے روانہ ہونا پڑا لیکن ہمارے چلتے چلتے اژدہا اپنے شکار کو تقریباً پورا نگل چکا تھا۔

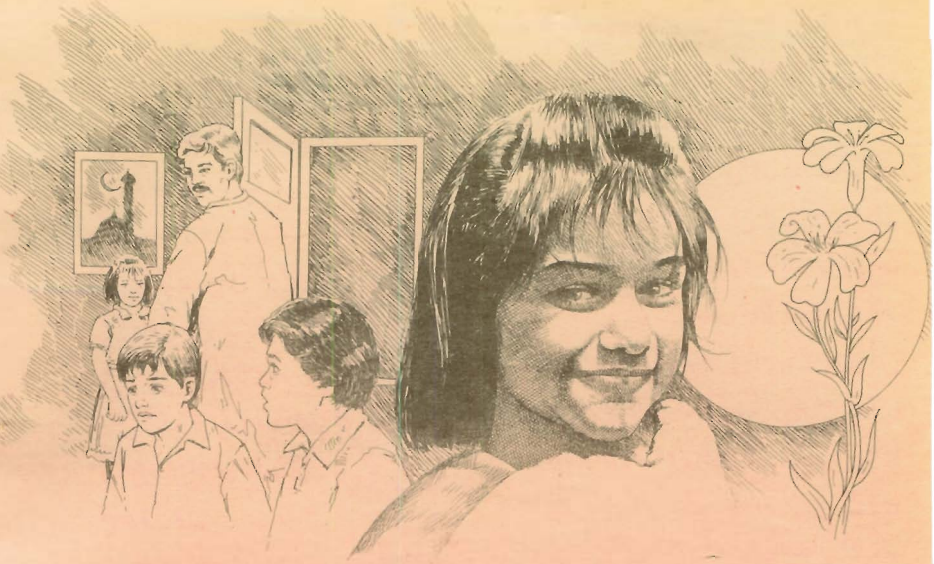

تم تو لڑکی ہو

احمد حاطب صدیقی

امی جس روز اسپتال سے گھر آئیں، اپنے ساتھ ایک بہت ہی چھوٹی سی منی بھی لے آئیں۔ عمار اور نبیل دونوں دوڑے دوڑے آئے ــــ مگر امی کے ساتھ ان محترمہ کو لیٹا ہوا دیکھ کر انہیں بہت غصہ آیا۔ عمار نے پوچھا۔

"امی یہ کون ہے؟"

"منی ہے!" امی نے جواب دیتے ہوئے پیار سے منی صاحبہ کے گالوں پر انگلیاں پھیریں۔

نبیل صاحب کو بھی ان منی صاحبہ سے امی کا اتنا پیار دیکھ کر غصہ آگیا۔ بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

"کیا آپ نے اسے بازار سے خریدا ہے؟"

امی ہنس پڑیں، کہنے لگیں۔ "نہیں بھئی بازار سے نہیں خریدا۔ یہ چھوٹی سی گڑیا تو اللہ میاں نے بھیجی ہے۔"

عمار صاحب کو یہ "پیں پیں" کر کے روتی ہوئی منی صاحبہ گڑیا تو کہیں سے نہیں لگیں۔

انہوں نے مزید اطمینان کے لئے پوچھا۔

"امی یہ ہے کون؟"

"بھئی تمہاری بہن ہے!"

"بہن کیوں ہے؟"

"بہن یوں ہے کہ یہ تمہیں بھائی جان کہے گی!"

"اچھا — اس سے مجھے بھائی جان کہلوائیں!"

ابھی نہیں کہہ سکتی نا۔ جب یہ بڑی ہوگی تب کہے گی۔"

"یہ کب بڑی ہوگی؟"

"جب تمہاری عمر کی ہو جائے گی۔"

"امی یہ مجھے کیا کہے گی؟" نبیل صاحب نے بڑے شوق سے پوچھا۔ "امی نے بتایا کہ "تم کو چھوٹے بھائی جان کہے گی۔"

"آہا کتنا مزا آئے گا۔" نبیل نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں۔مگر عمار صاحب کو ان کی یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے غصے سے نبیل صاحب کو ایک تھپڑ جڑ دیا اور کہا کہ "تم تو بالکل بے وقوف ہو!"

سب نے ایک ساتھ عمار کو ڈانٹا — ابو نے، امی نے اور دادی نے بلکہ ابو نے تو یہ بھی کہا کہ:

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

مگر عمار صاحب کا دماغ نہیں خراب ہو گیا تھا۔ ان کا دماغ خوب کام کر رہا تھا۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ جب یہ حضرت یعنی نبیل صاحب اسپتال سے گھر تشریف لائے تھے تو اس دن بھی یہی بتایا گیا تھا کہ:

"یہ منا ہے۔"

"اللہ میاں نے بھیجا ہے۔"

"تمہارا بھائی ہے۔"

وغیرہ وغیرہ..... لیکن تھوڑی ہی دیر میں عمار کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ ان "منے میاں" کو کچھ زیادہ ہی لفٹ مل رہی ہے۔ جو بھی آتا ہے انہی کے لئے کھلونے اور روپے پیسے لے کر آتا ہے۔ ابو، چچا، ماموں، خالہ اور پھوپھی بھی — اب عمار سے زیادہ "منے میاں" ہی کو گود میں لئے لئے پھرتی ہیں۔ عمار کو اپنی "ویلیو" کم ہو جانے کا کئی دن تک افسوس رہا۔ کئی بار انہوں نے مختلف انداز سے اس افسوس کا اظہار بھی کیا۔ مثلاً انہوں نے چچا سے پوچھا۔ "چچا آپ مجھ کو گود میں کیوں نہیں لیتے؟"

ابو سے پوچھا کہ "ابو آپ دفتر سے آتے ہی منے کو کیوں اٹھا لیتے ہیں؟"

دادی سے پوچھا کہ "آپ ہر وقت منے ہی کو گود میں لئے کیوں بیٹھی رہتی ہیں؟"

ہر مرتبہ انہیں تقریباً یہی جوابات ملتے کہ "منا چھوٹا ہے نا۔"

"اب آپ بڑے ہو گئے ہیں۔"

"یہ آپ ہی کا بھائی ہے۔"

"آپ کو بھی تو گود میں لیتے ہیں۔ آپ کو بھی تو پیار کرتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔

ہاں اتنا تو ضرور تھا کہ اس قسم کے سوالات کے فوراً بعد عمار کو ڈھیروں پیار ملتا اور انہیں دیر تک گود میں بھی لیا جاتا۔ لیکن اب سارے بڑوں کے پیار اور ان کی گود کے واحد حقدار میاں احمد عمار نہیں تھے۔ اس حق میں منا بھی شریک ہو گیا تھا۔

ہاں تو بھئی ایک بڑی حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ جب نبیل صاحب کے اظہار مسرت پر عمار صاحب نے انہیں "بے وقوف" قرار دے کر چپت رسید کر دی تھی تو اس موقع پر نبیل صاحب بالکل نہ روئے۔ اس کے بجائے انہوں نے کچھ دیر بعد اکیلے میں عمار سے پوچھا۔

"بھائی جان! میں بالکل بے وقوف کیوں ہوں؟"

تو عمار صاحب نے بزرگانہ انداز میں انہیں سمجھایا کہ "جب سارے لوگ ان منی صاحبہ کے لئے بہت سارے کھلونے لے کر آئیں گے، تب پتہ چلے گا۔"

اور سچ مچ پتہ چل گیا۔ لوگ مبارک باد دینے کے لئے آنے لگے۔ کھلونے وغیرہ بھی ساتھ لانے لگے۔ ابو اور چچا نے کچھ کھلونے عمار اور نبیل کے لئے بھی خرید کر لا دیئے مگر ان دو چار کھلونوں سے ان دونوں کو بالکل خوشی نہ ہوئی۔

شاید دوسرے یا تیسرے ہی دن عمار اور نبیل کو یہ معلوم ہوا کہ ان منی صاحب کا نام "شامہ" ہے۔

"لو بھئی اب تو یہ منی صاحبہ "شامہ" ہو گئی ہیں۔ اب یہ یہیں رہیں گی۔" عمار نے اپنے پچھلے تجربہ کی روشنی میں نبیل صاحب کو اطلاع دی۔

"یہ کہاں سوئیں گی؟" نبیل نے فکر مندی سے پوچھا۔

"امی کے ساتھ اور کہاں؟" عمار نے پورے یقین سے جواب دیا۔

پھر ہوا بھی یہی۔ شامہ صاحبہ مستقل وہیں رہنے بھی لگیں اور امی کے ساتھ سونے بھی لگیں۔

رفتہ رفتہ عمار اور نبیل نے حالات سے سمجھوتا کر لیا اور شامہ صاحبہ کو "بہن" کی حیثیت سے تسلیم بھی کر لیا۔ خوشگوار موڈ میں ہوں تو دونوں اسے پیار بھی کر لیتے۔

ہوتے ہوتے شامہ بڑی ہونے لگی۔ عمار اور نبیل بھی بڑے ہو چکے تھے۔ دونوں اسکول جانے لگے تھے۔ شامہ اور بڑی ہوئی تو اس کا بھی داخلہ اسکول میں ہو گیا۔ اب تو حالات بہت حد تک بدل چکے تھے مگر کبھی کبھی شامہ سے عمار اور نبیل کی "پرانی دشمنی" نئے رنگ میں ابھر آتی۔

"لڑکیاں تو بالکل بے کار ہی ہوتی ہیں۔ کسی کام کی نہیں ہوتیں۔" عمار صاحب رائے دیتے۔

"جی نہیں!" شامہ صاحبہ اپنے مخصوص تکیہ کلام (یعنی — "جی نہیں") کہہ کر جواب دیا کرتیں کہ۔

"لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ کام کرتی ہیں۔

سارے گھر کا کام کرتی ہیں۔"

"بس گھر ہی کے کام کرتی ہیں نا؟" اب نبیل صاحب اسے آڑے ہاتھوں لیتے اور کہتے کہ:

"لڑکے تو باہر کے سارے کام کرتے ہیں۔ بڑے ہو کر دفتر میں بڑے بڑے افسر بنتے ہیں۔ پائلٹ بنتے ہیں، انجینئر بنتے ہیں اور ....."

"اور لڑکیاں بھی بڑی ہو کر بڑے بڑے کام کرتی ہیں۔" شامہ بات کاٹ کر کہتی کہ:

"لڑکیاں لیڈی ڈاکٹر بنتی ہیں، مس بنتی ہیں، بچوں کو پڑھاتی ہیں۔"

"بس بس رہنے دو۔ اللہ میاں نے لڑکوں ہی کو بڑے بڑے کاموں کے لئے بنایا ہے اور لڑکیوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے بنایا ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو لڑکے ہی تھے وہ بھی بڑے ہو کر نبی ہوئے۔ بھلا کوئی لڑکی بھی کبھی بڑی ہو کر نبی بنی؟" عمار صاحب ایک نئی دلیل لاتے اور شامہ لاجواب ہو کر روہانسی ہو جاتی۔

اب نبیل صاحب فرماتے کہ:

"اسی لئے تو لڑکوں کے پیدا ہونے پر لوگ زیادہ خوشی مناتے ہیں۔ لڈو بانٹتے ہیں اور لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں تو جلیبیاں تقسیم کرتے ہیں۔"

"جاہل لوگ ہوتے ہیں۔" شامہ غصے میں بولتی تو عمار صاحب کہتے۔

"بھئی لڑکے بڑے ہو کر اپنے ماں باپ کے کام آتے ہیں، انہیں کما کر کھلاتے ہیں لڑکیاں کس کام آتی ہیں؟ شادی کے وقت الٹا جہیز لے کر چلی جاتی ہیں۔"

اب تو شامہ رو ہی پڑتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا سچ مچ اللہ میاں نے لڑکیوں کو بے کار بنایا ہے۔ کیا لڑکیاں اس قابل نہیں تھیں کہ اللہ میاں ان کو نبی بناتے؟ اسے بات بات پر اپنے بھائیوں سے یہ طعنے سننے پڑتے کہ:

"تم تو لڑکی ہو۔ تم تو ہو ہی بیکار۔"

شامہ اکثر سوچا کرتی کہ "اگر میں بے کار ہوں تو اللہ میاں نے مجھے پیدا ہی کیوں کیا؟"

یہ سوچتے سوچتے ایک دفعہ وہ تکیہ میں منہ چھپا

سیٹی والا پرندہ

○ ہارن بل ایک ایسا پرندہ ہے جب یہ اڑتا ہے تو اس کے پروں سے سیٹی بجانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ افریقہ اور بھارت کے نواحی علاقوں میں دیکھا گیا ہے۔

مورڈ ریگون

○ دنیا کی سب سے بڑی چھپکلی "مورڈ ریگون" ہے۔ جس کی لمبائی ساڑھے تین میٹر ہے۔ یہ انڈونیشیا میں پائی جاتی ہے اس کا وزن ۱۳۵ کلو ہے یہ زمین پر دوڑتی ہے۔ سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ چھپکلی ہرن اور ریچھ جیسے تیز رفتار جانوروں کا شکار کرتی ہے۔

مرسلہ..... محمد شاہ کھوکھرائی، ٹنڈو محمد خان

کر رونے لگی۔ اتنے میں ابو آ گئے۔ "کیا ہوا میری لاڈلی کو؟" ابو نے پوچھا۔

"ابو کیا میں آپ کی لاڈلی ہوں؟" شامہ نے روتے ہوئے پوچھا۔

"لو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ میری بیٹی تو سب سے زیادہ میری لاڈلی ہے۔"

"مگر ابو! بھائی جان اور چھوٹے بھائی تو کہتے ہیں کہ لڑکیاں بالکل بیکار ہوتی ہیں۔ لڑکیوں کے پیدا ہونے پر ماں باپ خوش نہیں ہوتے۔ لڑکوں کے پیدا ہونے پر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اللہ میاں نے لڑکوں ہی کو بڑے بڑے کاموں کے لئے بنایا ہے۔ ابو اللہ میاں نے لڑکیوں کو نبی کیوں نہیں بنایا؟"

شامہ نے ایک سانس میں اتنی ساری باتیں پوچھ ڈالیں کہ ابو بالکل خاموش ہو گئے۔ شامہ کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ ساری باتیں صحیح ہیں جبھی تو ابو بھی چپ ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ابو نے کہا۔ "جاؤ تم منہ دھو کر میرے پاس آؤ۔"

شامہ منہ دھو کر واپس آئی تو نبیل اور عمار بھی بلائے جا چکے تھے۔

ابو کہنے لگے۔ "مکہ کے کافر جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، وہ لڑکیوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں۔ ہمارے نبی نے فرمایا ہے کہ جو شخص بیٹیوں کی پرورش کرے گا، ان سے پیار کرے گا، وہ جنت میں میرے ساتھ داخل ہو گا۔ مجھے تو جنت میں میری بیٹی ہی لے جائے گی۔"

شامہ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی، اس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا کہ اس کے ابو اس کی وجہ سے جنت میں جگہ پائیں گے۔ ابو کہہ رہے تھے کہ "اللہ میاں نے لڑکیوں کو نبی نہیں بنایا۔ مگر ہر نبی کی امی ضرور تھیں جو پہلے لڑکیاں ہی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابو نہیں تھے۔ مگر امی تو ان کی بھی تھیں۔ اللہ میاں نے لڑکیوں کو بہت بڑے کام کے لئے بنایا ہے وہ کام یہ ہے کہ جب وہ بڑی ہوتیں ہیں جب امی بنتی ہیں تو وہ لڑکوں اور لڑکیوں سب کی تربیت کرتی ہیں۔ بھئی تم خود دیکھ لو کہ تمہاری امی تم لوگوں سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ آخر وہ بھی تو لڑکی ہی تھیں۔ اللہ میاں نے ماں کا مرتبہ باپ سے بھی زیادہ رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لڑکیوں کی اللہ میاں کے یہاں زیادہ عزت ہے۔ تم دونوں بھائی اپنی بہن کی عزت کیا کرو۔ اگر تم اپنی بہن کو حقیر سمجھو گے تو اچھے مسلمان نہیں کہلاؤ گے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے ماننے والے نہیں سمجھے جاؤ گے۔" ابو کی بات ختم ہوتے ہی شامہ شیر ہو گئی۔ دونوں بھائیوں کو للکار کر بولی۔

"اب بتاؤ! کیا میں بالکل بے کار ہوں؟"

دونوں بھائیوں نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔

"نہیں تم تو لڑکی ہو۔"

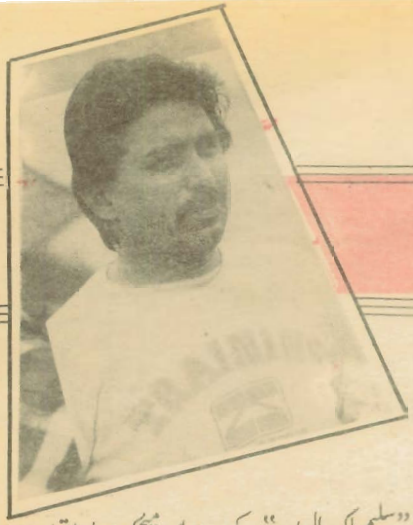

سوال آپ کے جواب میاں داد کے

سلیم خالق

جاوید میاں داد سے جب لاہور رابطہ کیا گیا تو پتا چلا کہ وہ سنگاپور میں ہیں، پھر جب وہ سنگاپور سے واپس آئے تو کراچی میں ہی ٹھہر گئے یہاں ان کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات کی گئی۔ اس دن وہ بہت مصروف تھے اس لئے آنکھ مچولی کے ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے انہوں نے اگلے دن بلایا۔ لیکن کہاں؟ یوبی ایل اسپورٹس کمپلیکس میں جہاں "میاں داد الیون" اور "سلیم ملک الیون" کے درمیان میچ کھیلا جارہا تھا۔ جاوید میاں داد نے ہر سوال کا جواب سکون کے ساتھ دیا۔

ہمارا جی تو چاہ رہا تھا کہ سارے سوال پوچھے جائیں لیکن یہ ممکن نہیں تھا اس لئے صرف وہی سوال ہم نے میاں داد سے کئے جو آنکھ مچولی کو پہلے موصول ہوئے تھے اور دلچسپ تھے۔

پہلا انعامی سوال

سوال:۔ جاوید بھائی آپ ایک تجربہ کار کھلاڑی ہیں۔ اس لئے آپ سے یہ سوال پوچھ رہا ہوں، آج کل ون ڈے کرکٹ کی بھرمار ہے۔ اور ٹیسٹ کرکٹ بہت کم ہوتی ہے کیا اس سے بیٹسمینوں کے کھیلنے کی تکنیک پر کوئی خراب اثر پڑا ہے؟

مبرور جمیل شیخ، کراچی

میاں داد: اچھا سوال ہے آپ کا میرا خیال ہے کہ اس سے بیٹسمینوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ یہ بیٹسمینوں پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو دونوں طرح کی کرکٹ کے لئے تیار کرتے ہیں۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔

دوسرا انعامی سوال

جاوید بھائی ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہر میچ میں آپ کس طرح گراؤنڈ میں جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ کونسا جذبہ ہے جو آپ کو دنیا کے بڑے سے بڑے بولر کے سامنے جھکنے نہیں دیتا؟

(مولا بخش بلوچ، ساجن گوٹھ)

میاں داد: ڈیٹرمینیشن اپنے اوپر اعتماد اور محنت۔

سوال:۔ انکل کیا آپ میرا دوست بننا پسند کریں گے؟ (محمد عامر میمن، میرپور خاص)

میاں داد: کیوں نہیں، پاکستان کا ہر بچہ میرا دوست ہے۔

سوال:۔ انکل ذرا سچ سچ بتائیں آج تک بیٹنگ کرتے ہوئے آپکو کس بولر سے ڈر لگا ہے؟ (حناز سرور، بہاولپور۔ محمد راشد اقبال، کراچی۔ پرنس عرفان، لنگڑیال، عمران راجپوت، حیدر آباد۔ ثنا اختر قریشی، اسلام آباد۔ سیدہ حنانورین کاظمی، کراچی، نثار احمد ہاشمی، کراچی)

میاں داد: اللہ کا شکر ہے خوفزدہ تو آج تک کسی بولر سے نہیں ہوا ہوں لیکن عزت کرتا تھا چند بولروں کی، مثلاً ہیڈلی، للی، ہولڈنگ، گارنر، اینڈی رابرٹس یہ سب بہت.... اچھے بولرز تھے۔

سوال:۔ انکل آپ خود تو بہت سے لوگوں کے آئیڈیل ہیں لیکن خود آپ کے آئیڈیل کون ہیں؟ (سید عاطف عطا، کراچی)

میاں داد: میرے آئیڈیل مشتاق محمد ہیں۔

سوال:۔ جاوید بھائی آپ ایک اچھے اسپنر بھی تھے آپ نے بولنگ کرنا کیوں چھوڑ دی؟ (سید عرفان کریم، کراچی)

میاں داد: میچوں میں بولنگ کرنے کا موقع زیادہ نہیں ملتا تھا۔ ٹیم میں اچھے بولر بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس لئے میں نے اپنی پوری توجہ بیٹنگ پر لگا دی میں نے سوچا بولنگ تو ملتی رہے گی جب ملے گی تو کر لیں گے۔

سوال: جاوید بھائی آپ کا سب سے زیادہ انفرادی اسکور کیا ہے اور آپ نے وہ کب اور کس کے خلاف بنایا ہے؟ (ایم۔ اے۔ قریشی اسلام آباد افتخار قمر، اسلام آباد)

سوال:۔ میرا سب سے زیادہ اسکو ۲۸۰ رنز ناٹ آؤٹ ہے یہ اسکور میں نے ۱۹۸۲ میں حیدر آباد کے مقام پر بھارت کے خلاف بنایا تھا۔

سوال:۔ شارجہ کپ ۱۹۸۶ کے فائنل میں کیا آپ کو یقین تھا کہ آپ آخری گیند پر چھکا لگا دیں گے۔ (معراج علی، حیدر آباد)

میاں داد: جی ہاں، مجھے پوری امید تھی کہ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا، میرا ارادہ تھا کہ چوکا لگاؤں لیکن چھکا لگ گیا۔

سوال:۔ انکل ذرا سچ سچ بتائیے شارجہ میں چھکا مارنے سے قبل کیا پڑھ رہے تھے؟ (میاں جنید عالم شاہ قلی، گجرات)

میاں داد: ظاہر ہے دعائیں پڑھ رہا تھا اللہ تعالیٰ کو ..... تو ہر وقت یاد کرتے رہنا چاہئے، دعائیں پڑھ کر اور نماز کے ذریعے۔

سوال:۔ اگر آپ کرکٹر نہ ہوتے تو کیا ہوتے؟
(ندیم رضا، کراچی، افشاں غوری، حیدر آباد)
میاں داد:۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کیونکہ غیب کا علم ان ہی کو ہے۔

سوال:۔ جاوید انکل کرکٹ میں تو آپ نے بڑا نام کمایا ذرا سچ سچ یہ بتایئے کہ پڑھائی میں آپ کیسے تھے؟ (عمر فاروق کراچی، نوید الرحمان، کراچی عامر خالق قریشی، ایبٹ آباد)
میاں داد:۔ بہت اچھا تھا۔ اور یہ میں بالکل سچ سچ بتا رہا ہوں۔

سوال:۔ جاوید بھائی میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں کیونکہ آپ نے دنیا میں کرکٹ کے حوالے سے پاکستان کا نام خوب روشن کیا ہے۔ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ نے اپنی کرکٹ کھیلنے کی ابتدا کہاں سے کی تھی؟ (صبا سالار، کراچی)
میاں داد:۔ والد صاحب کے۔ سی۔ سی۔ اے کے رکن تھے ان کے ساتھ میں میچوں میں جاتا تھا۔ وہاں میں فیلڈنگ کرتا تھا جس جگہ میچ ہوتے تھے اس گراؤنڈ کا نام مسلم جیم خانہ گراؤنڈ تھا یہیں سے میں نے کرکٹ کھیلنے کی ابتدا کی۔

سوال:۔ جاوید بھائی کیا آپ اپنے بچوں کو بھی کرکٹر بنائیں گے؟
(علی اشرف اعوان، حیدر آباد)
میاں داد:۔ ابھی تک تو اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔ ابھی تو میں ان کو اچھی تعلیم دلوا رہا ہوں۔ کیونکہ تعلیم بہت ضروری چیز ہے۔

تیسرا انعامی سوال

سوال:۔ جاوید بھائی ورلڈ کپ ۱۹۹۲ کے پاکستان اور بھارت کے مابین ہونے والے ایک میچ میں آپ نے بھارتی وکٹ کیپر کی نقل کی تھی یعنی اس کو چھیڑنے کے لئے آپ نے فضا میں الٹی سیدھی قلانچیں بھری تھیں۔ یہ تجربہ کیسا رہا تھا؟
(افضال احمد خان، کراچی منصور داؤد، سکھر، شاہد بن عزیز، کراچی۔)
میاں داد:۔ بہت برا، کیونکہ اس دن میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن بھارتی وکٹ کیپر اس دن بہت اوور ہو رہا تھا اس کو سبق سکھانا لازمی تھا، بعد میں اسی وجہ سے میری طبیعت اور خراب ہو گئی تھی، اس لیے کسی کی نقل نہیں اتارنی چاہیے بھئی!

ایک تھے جگری یار ہمارے

انوار احمد

ایک تھے جگری یار ہمارے — بالوں سے محروم بیچارے
چندیا ساری صاف تھی ان کی — بس جھالر تھی ایک کنارے
وگ پہنے وہ پھرتے رہتے — لمبے ڈگ وہ بھرتے رہتے
شیخی کی وہ باتیں اکثر — سب لوگوں سے کرتے رہتے
کچھ لڑکوں نے اک دن سوچا — کرتے ہیں ہم آج تماشا
وگ لے کر اک لڑکا بھاگا — ایک نے ان کو غلہ مارا
غلہ سر سے جب ٹکرایا — بے چارے کو چکر آیا
گنجے سر سے خون ذرا سا — چوٹ لگی تو باہر آیا
اب تو لڑکے ڈر کے مارے — اپنے گھر کو بھاگے سارے
ہم نے ان کی درگت دیکھی — آخر تھے وہ یار ہمارے
زخمی حالت میں جب پایا — ان کو اپنے گھر میں لایا
پٹی باندھی ان کے سر پر — ہم نے اپنا فرض نبھایا

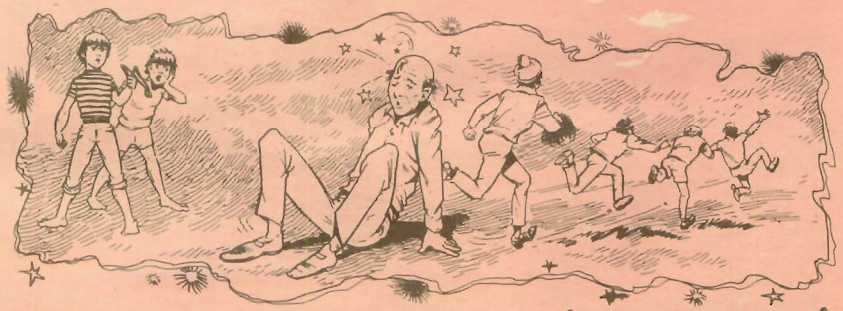

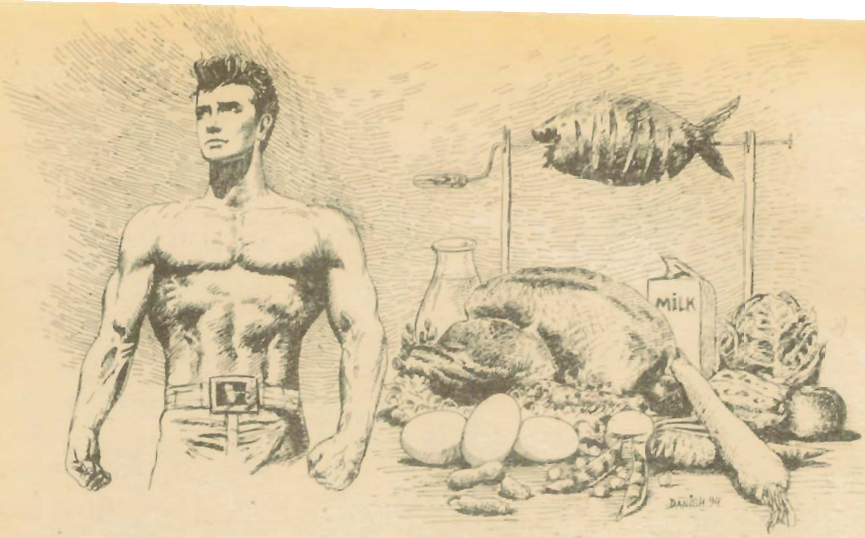

صحت کیسے بنتی ہے؟

نگہت آرا چوہان

تقریباً تمام زندہ خلیات میں پروٹین پائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پروٹین زندگی کے لئے ضروری ہے۔ پروٹین یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "پہلا"۔ کیونکہ پروٹین کو زندہ اجسام کے لئے بہت اہم تصور کیا جاتا ہے۔

ہر قسم کے خلیوں کی اپنی پروٹین ہوتی ہے۔ یہ پروٹین ایمونو ایسڈ نامی مادے کا مرکّب ہوتی ہے۔ تقریباً اکیس مختلف قسم کے ایمونو ایسڈ پائے جاتے ہیں۔ ہر ایمونو گروپ میں کیمیائی عنصر نائٹروجن موجود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن ہوتی ہیں۔ مختلف ایمونو مختلف طریقے سے مل کر مختلف قسم کی پروٹین بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم سب جانتے ہیں کہ گوشت میں پروٹین ہوتی ہے لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ بارہ سے پندرہ مختلف پروٹین سے مل کر بنتی ہے۔

بہت سے کھانے ہمارے لئے اس بنا پر اہم سمجھے جاتے ہیں کہ ان میں پروٹین ہوتی ہے۔ ان میں دودھ، انڈے، مچھلی، روکھا گوشت، مٹر، پھلیاں، مونگ پھلی اور مختلف قسم کے اناج شامل ہیں۔ یہ اس لئے اہم ہیں کہ یہ انسان کو ایسے ایمونو ایسڈ فراہم کرتے ہیں جو وہ خود نہیں بنا سکتا۔ اسے یہ کھانے میں مل جاتے ہیں۔ دراصل یہ ضروری ایمونو ایسڈ کہلاتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ جسم

ان کے بغیر نشوونما نہیں پا سکتا۔ خاص قسم کے ایمونوایسڈ جسمانی ٹشوز کے لئے ضروری ہیں۔ سبزی کی پروٹین مثلاً مٹر، پھلیاں، اور مختلف سریل میں تمام پروٹین شامل نہیں ہوتیں لیکن جب کھانے میں حیوانی پروٹین شامل کر لی جائیں تو یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں۔

انسان بعد کے استعمال کے لئے اپنے جسم میں پروٹین کا ذخیرہ نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے جسم کو جتنی قسموں کی پروٹین چاہئے وہ ایک ہی وقت میں مل جانی چاہئے۔ روٹی اور دودھ کھانے کے ساتھ ہی استعمال ہونے چاہئیں تاکہ وہ جو ایمونو ایسڈ پیدا کرتے ہیں، دوسرے پروٹین کے ساتھ مل کر استعمال ہو سکیں۔

ہر کھانے کے ساتھ مختلف قسم کی پروٹین والی غذا کھانی چاہیے تاکہ آپ کا جسم کافی مقدار میں ضروری ایمونو ایسڈ حاصل کر سکے۔

وٹامن یا حیاتین خوراک میں پایا جانے والا ایک گروپ ہے۔ جسم کو زندگی اور صحت کے لئے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ مناسب مقدار میں حیاتین لے رہا ہے اور کیا یہ اس کے لئے درست ہیں۔ اگرچہ جسم کو وٹامن کی بہت تھوڑی مقدار درکار ہوتی ہے۔ لوگوں کی اس کے متعلق فکر کی چند بنیادیں ہیں اور ان کا تعلق ان کی خوراک سے ہے۔ ایک شخص جو بہت عمدہ قسم کی خوراک کھاتا ہے اسے تقریباً تمام حیاتین مل جاتے ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بہت سارے لوگ خوراک کا انتخاب عقل مندی سے نہیں کرتے ہیں۔ وہ مناسب مقدار میں مختلف غذائیں نہیں لیتے اور وہ بنیادی غذا نہیں کھاتے جس میں حیاتین ہوتے ہیں۔ اگر آپ مناسب غذا کھائیں تو آپ کو الگ سے مزید وٹامن کھانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے وٹامنز کا جسم میں ذخیرہ نہیں ہو سکتا چنانچہ اگر الگ سے وٹامنز لئے جائیں تو جسم ان سے پیچھا چھڑا لیتا ہے۔

بہت زیادہ مقدار میں وٹامنز ٹھونس لینا جسم کے لئے مُضر ہوتا ہے۔ وٹامن اے اور ڈی کے سلسلے میں یہ بات درست ثابت ہو چکی ہے۔ کس قسم کی خوراک میں کون کون سے وٹامن پائے جاتے ہیں؟

حیاتین اے جو آنکھوں، جلد، دانتوں اور ہڈیوں کی صحت کے لئے ضروری ہے، سبز اور زرد پتوں والی سبزیوں پھلوں، انڈے، جگر اور مکھن میں پایا جاتا ہے۔ حیاتین بی ون جو اعصابی اور نظام ہاضمہ کے لئے ضروری ہے اور بہت سی بیماریوں کے خلاف مدافعت پیدا کرتا ہے۔ ہر قسم کے اناج، روٹی اور جگر میں ہوتا ہے۔

بی ٹو دودھ، انڈے، سبزی اور بغیر چکنائی والے گوشت میں ہوتا ہے۔

وٹامن سی جو رگوں، ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے، ترش پھلوں، ٹماٹر اور کچی سبزیوں میں ہوتا ہے۔ وٹامن ڈی دودھ اور دھوپ میں ملتا ہے۔ ان سب کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔

ہنسو ہنسو

باپ نے اپنے سست اور کاہل بیٹے سے کہا "اب میں تمہارے لئے ایسا انتظام کروں گا کہ بٹن دباتے ہی ہر چیز تمہارے سامنے حاضر ہو جائے گی۔ جیسے ہی بٹن دباؤ گے کھانا آجائے گا۔ بٹن دباتے ہی جوتے تمہارے سامنے آجائیں گے بٹن دباتے ہی....."

"لیکن ڈیڈی!" لڑکے نے بور ہو کر کہا! "یہ بٹن دبانا تو مجھے ہی پڑے گا نا!"

مرسلہ..... منصور الرشید، اسلام آباد۔

کرکٹ کا ایک مشہور کھلاڑی بیماری کے باعث اسپتال میں پڑا ہوا تھا۔ ایک دن ڈاکٹر نے اس کا ٹمپریچر چیک کر کے کہا کہ تمہارا ٹمپریچر ایک سو پانچ تک پہنچ گیا ہے۔ کھلاڑی نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔ "کیا یہ عالمی ریکارڈ ہے۔"

مرسلہ..... عمیر خان۔

ایک کنجوس ڈاکٹر اپنے نوکر پر برس رہا تھا۔ "جب میں نے تمہیں چائے پلانے کا کہا تھا تو تم نے آئس کریم کیوں کھلائی۔ اتنی سردی میں میرے دوستوں کو آئس کریم کھلا دی۔ تمہیں معلوم ہے اگر چائے پلاتے تو کم خرچہ ہوتا۔ مگر تم تو ہو ہی بیوقوف۔"

"مگر جناب اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے۔ جب آپ کے دوست نزلہ، زکام یا نمونیا کا شکار ہوں گے تو آپ کے ہی پاس آئیں گے۔ تب کسر نکال لیجئے گا۔"

مرسلہ..... قیصر سلیم جٹ، اوکاڑہ۔

چار گنجے جو بہت صحت مند تھے، بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچے اور میزبان سے کہنے لگے۔ "واہ! کیا شاندار محفل ہے؟"

میزبان نے ان کے گنجے سروں کو غور سے دیکھا اور کہا "جی ہاں! آپ نے آکر تو ہماری محفل کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

مرسلہ..... پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔

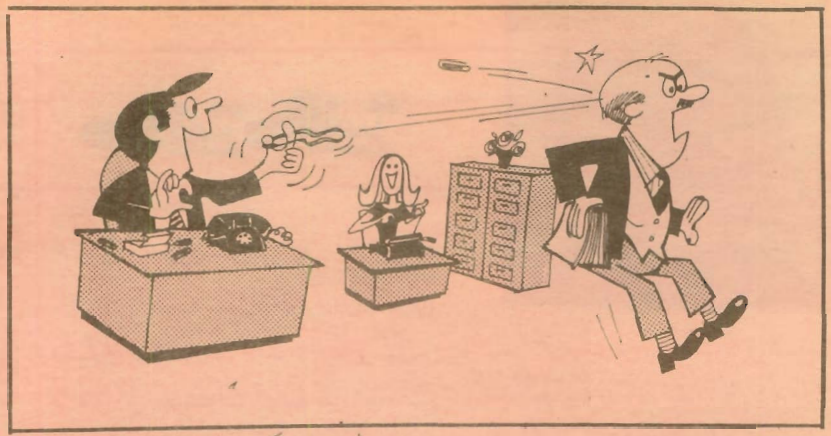

ایک شخص کی نظر کمزور تھی۔ ایک دن وہ آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس معائنے کے لئے گیا اور کہا: "ڈاکٹر صاحب! مجھے ہر چیز کے دو نظر آتے ہیں!"

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "کیا آپ چاروں کو یہی بیماری ہے؟"

مرسلہ..... حاجی مظہر حسین لاشاری، بہاولنگر۔

ٹرین میں ایک خاتون اپنے آٹھ بچوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ بچے بہت شور مچا رہے تھے۔ ایک مسافر تنگ آکر بولا: "خاتون! آپ اتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر کیوں سفر کرتی ہیں؟ کبھی کسی کو چوٹ وغیرہ لگ گئی تو؟ دو تین کو گھر پر چھوڑ آیا کریں۔" عورت نے تنگ کر جواب دیا: "کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟ دو کیا! میں تو آدھے بچے گھر پر چھوڑ کر آئی ہوں۔"

مرسلہ..... حاجی مظہر حسین لاشاری، بہاولنگر۔

ایک رات کلب میں بیٹھے ہوئے کچھ دوستوں میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ کون سب سے زیادہ کھاتا ہے۔ ایک صاحب نے چالیس کباب، دس پلیٹ بریانی، دو کلو قورمہ، ۳۰ روٹیاں، اور دس پیالے کھیر کھا کر انعام جیت لیا۔ پھر انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا۔ "خدا کے لئے میرے شرط جیتنے کی خبر میری بیوی تک نہ پہنچانا، ورنہ وہ

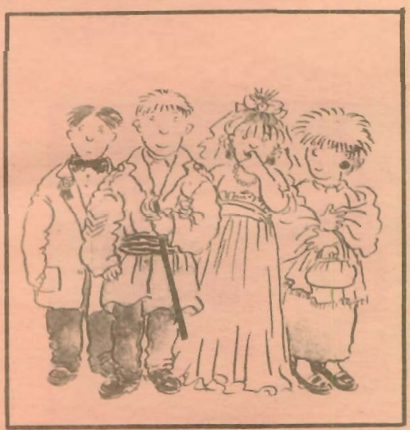

مجھے رات کا کھانا نہیں دے گی۔"

مرسلہ..... اللہ رکھا، لالہ موسیٰ۔

ایک دن ملا نصیر الدین اور ان کا بیٹا جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گئے۔ واپسی پر شام ہو گئی اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ راستہ بھول گئے۔

کافی دیر راستہ تلاش کرنے کے بعد جب راستہ نہ ملا تو ملا نصیر الدین بیٹے سے بولے۔

"بیٹے تم گھر چلے جاؤ تمہاری ماں پریشان ہو گی میں کسی طرح راستہ تلاش کر کے آجاؤں گا۔

مرسلہ..... محمد زبیر خان، بورسٹل جیل بہاولپور۔

نوکری کا امید وار۔ حضور میں بہت غریب ہوں۔ نہ میرے پاس کھانے کو روٹی ہے اور نہ ہی رہنے کو مکان۔

سیٹھ۔ تو کیا ہوا۔ خیالی پلاؤ پکایا کرو اور ہوائی قلعے میں رہا کرو۔

مرسلہ..... سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔

ایک آدمی دوسرے آدمی کو کراچی کے ایک تھانے کا پتا سمجھا رہا تھا۔ "آپ یہاں سے پیدل چلنا شروع کر دیں، آپ کو جگہ جگہ قتل، چوری کی وارداتیں اور ہنگامہ آرائی ہوتی نظر آئے گی۔ آپ نہ رکیں، آگے بڑھتے چلے جائیں۔ ایک جگہ آپ کو سب سے زیادہ ہنگامہ نظر آئے گا اور سامنے ایک عمارت میں بہت سے لوگ کالی وردی پہنے تماشہ دیکھ رہے ہوں گے، وہی عمارت تھانہ ہے۔"

مرسلہ..... صوفیہ سلطان، کراچی۔

ماں (بیٹے سے) تو میرے کہنے پر عمل نہیں کرتا۔ یاد رکھ میں تجھے سخت سزا دوں گی۔

بیٹا (معصومیت سے) ماں ایسی کون سے سزا دو گی؟

ماں۔ میں تجھے کرکٹ کا کھلاڑی بنا دوں گی اور تو ساری زندگی دھوپ میں جلتا رہے گا۔

مرسلہ..... صوفیہ سلطان، کراچی۔

مالک:۔ یہ ٹائر کیسے پنکچر ہو گیا؟

نوکر:۔ جی یہ ایک شیشی پہ چڑھ گیا تھا۔

مالک:۔ کیا تم نے وہ شیشی دیکھی نہیں؟

نوکر:۔ جی نہیں! وہ شیشی اس آدمی کی جیب میں تھی جو گاڑی کے نیچے آیا تھا۔

مرسلہ..... صوفیہ سلطان، کراچی۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے ایک پھلوں کی دکان سے ایک چھوٹے سے آم کی قیمت پوچھی۔ دکاندار نے نو روپے پچھتر پیسے بتائی۔ آدمی نے دس روپے نکال کر دکاندار کو دیئے اور آم لے کر دکان سے نکل گیا۔ دکاندار نے کہا۔ "اپنے

۲۵ پیسے تو لیتے جایئے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "رہنے دیجئے، آپ کی دکان میں داخل ہوتے ہوئے میرے پاؤں کے نیچے انگور کا دانہ کچل گیا تھا۔"

مرسلہ..... شہریار گل، ارمڑ پایان۔

استاد شاگرد سے، "بتاؤ حوالات کسے کہتے ہیں؟"

شاگرد: "جو ہوا کو لات مارے۔"

مرسلہ..... عمر شمس، راولپنڈی۔

ایک پاگل:۔ "بھلا یہ تو بتاؤ کہ ڈاکوؤں کو پکڑنے کے لئے جاتے وقت پولیس سائرن کیوں بجاتی ہے؟" دوسرا پاگل:۔ "اس لئے کہ ڈاکو موقعہ واردات سے بھاگ جائیں۔"

مرسلہ..... حاجی مظہر حسین لاشاری، بہاول نگر۔

ایک دفعہ ایک بادشاہ نے کسی مشہور شاعر کو اپنا شعر سنایا۔ شاعر نے کہا کہ آپ کا شعر اچھا نہیں ہے۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ شاعر کو قید خانے میں ڈال دو۔ شاعر چند دن قید خانے میں رہا اور پھر اسے رہا کر دیا گیا کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے پھر کوئی شعر لکھا اور اسی شاعر کو سنایا۔ شاعر پہلے تو خاموش رہا پھر جانے کے لئے اٹھا۔ بادشاہ نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟" شاعر بولا "قید خانے"

مرسلہ..... محمد محمود ظفر منہاس، ملتان

ایک اخبار میں "ضرورت ہے" کے عنوان سے اشتہار چھپا کہ ایک شریف، ایمان دار اور محنتی آدمی کی ضرورت ہے۔ معقول تنخواہ دی جائے گی۔ جواب میں بے شمار درخواستیں موصول ہوئیں۔

ایک درخواست میں لکھا تھا۔

"جناب میں بہت شریف، ایمان دار اور محنتی ہوں۔ جب سے یہاں آیا ہوں، کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ صبح سویرے اٹھتا ہوں اور صبح سے شام تک محنت مشقت کرتا ہوں۔ باہر کبھی نہیں نکلتا۔ شام ہوتے ہی اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیتا ہوں۔ گزشتہ چار سال سے میرے اس روز مرہ کے معمول میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ صرف ایک سال انتظار کر لیں جیل سے رہا ہوتے ہی انٹرویو کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔"

مرسلہ..... محمد زاہد سلیم، کراچی۔

سچ مچ کی گڑیا الزبتھ گوئٹے

فلزا طاہر

جب ممی اپنی پھول جیسی بچی کو گود میں اٹھائے گزرتی ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی گود میں کوئی گڑیا ہے، پھر یہ گڑیا ہلتی جُلتی ہے، اِدھر اُدھر دیکھتی ہے تو وہ قریب آکر پوچھتے ہیں "اچھا تو کیا یہ سچ مچ کی ہے!"

ممی کی اس گڑیا کا نام الزبتھ گوئٹے ہے، اسکی عمر دو سال ہے اس کا وزن صرف ۹½ پونڈ ہے اور اس کا قد کُل دو فٹ ہے۔ یہ گڑیا جب پیدا ہوئی تو ڈاکٹر اسکی طرف سے سخت مایوس تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ بچی نہ کبھی چل پھر سکے گی اور نہ باتیں کر سکے گی کیونکہ یہ خاص بچی ہے اس کا ذہن ترقی نہیں کر سکے گا اور اس کا جسم بھی ۳½ فٹ سے زیادہ نہیں بڑھ سکے گا۔ لیکن ممی کی بے پناہ محبّت نے اس گڑیا کو بچا لیا۔ انہوں نے اسے تندرست کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیے اور ان ہی کی محنت کی وجہ سے گڑیا نے چلنا پھرنا شروع کر دیا آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں کہ گڑیا باغ میں بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور اب تو کچھ کچھ بولنے بھی لگی ہے ممی کی کوشش یہی ہے کہ گڑیا کسی طرح عام بچوں جیسی ہو جائے۔ آیئے ہم ہاتھ اٹھا کے اللہ میاں سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ممی کی خواہش پوری کرے اور گڑیا سب بچوں جیسی ہو جائے۔ (آمین)

WHAT'S NEW

AIRCRAFT

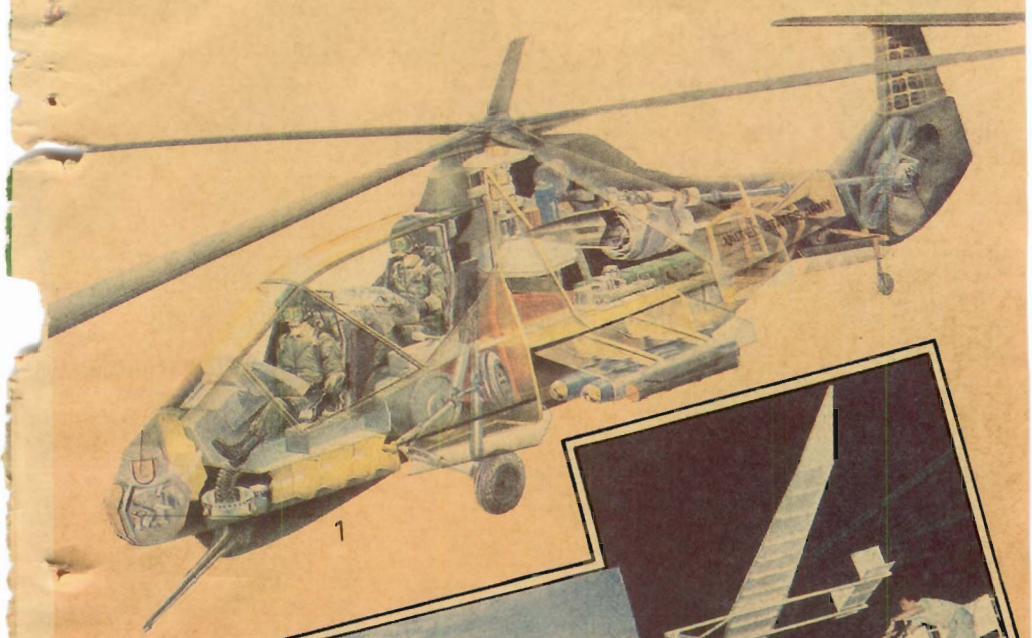

1

2

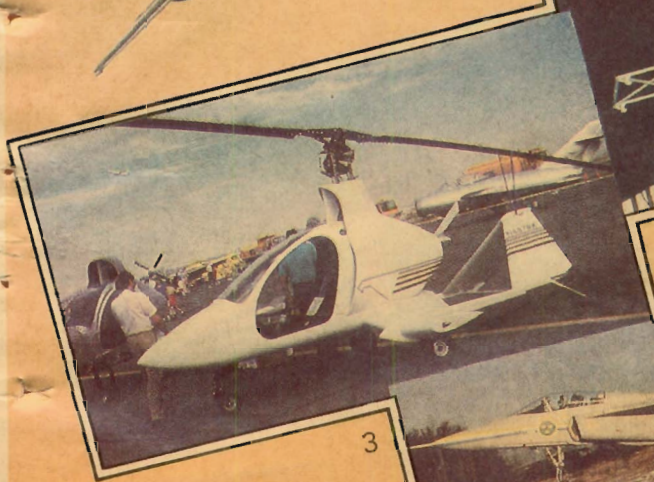

3

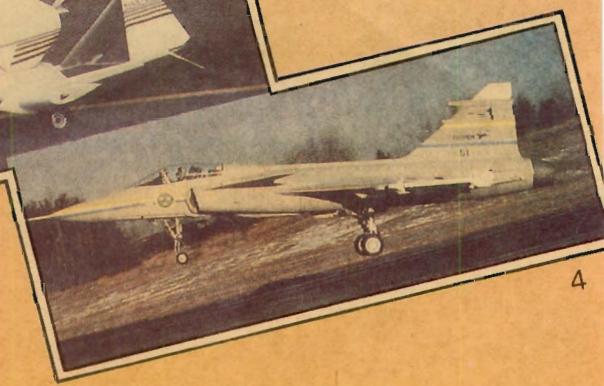

4

نئے جہاز

ایس ایم خالد

۱۔ جدید ہیلی کاپٹر

ہم اسے جدید ہیلی کاپٹر اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں جدید ترین مشینری استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً اس میں رات کو دیکھنے کے آلات، صحیح نشانہ پر صحیح فائر کرنے کے لئے کمپیوٹرائز سسٹم، اضافی پیٹرول کے ٹینک جو اس کی پرواز کو مزید ۱۲۵۰ ناٹیکل میل (ہوائی میل) بڑھا دیتے ہیں، نصب ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس میں کئی جدید سسٹم نصب ہیں۔ اس ہیلی کاپٹر کی خاص بات یہ بھی ہے کہ دوسرے بڑے ہیلی کاپٹرز کے مقابلے میں بے حد ہلکا ہے۔ ان ہیلی کاپٹروں کی پہلی کھیپ ۱۹۹۸ء میں امریکی فضائیہ کے سپرد کی جائے گی۔

۲۔ کاغذ کا جہاز

۲۸ فٹ کے پروں کے ساتھ یہ جہاز ہائی اسکول کے ایک طالب علم نے تیار کیا اور سابقہ ریکارڈ توڑ کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس تصویر میں اس ہوائی جہاز کو اڑانے کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس جہاز کو دس فٹ بلند ایک پلیٹ فارم سے اڑایا گیا اور اس نے ۱۰۶ فٹ کی مسافت طے کی۔

۳۔ ہیلی کاپٹر نما ایک کار آمد ہوائی جہاز

تصویر میں جو آپ ایئر کرافٹ دیکھ رہے ہیں اس کو Greon Brothers نے ڈیزائن کیا ہے۔ گو یہ ایک چھوٹے جہاز کی سی خصوصیات رکھتا ہے لیکن اس کا ڈیزائن ہیلی کاپٹر کی طرز کا ہے۔ اس ڈیزائن اور اوپر لگے پنکھے کی وجہ سے اسے ٹیک آف اور لینڈنگ کے وقت دوسرے جہازوں کی طرح رن وے پر دوڑنا نہیں پڑتا۔ اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار ۱۶۰ میل فی گھنٹہ ہے جبکہ رینج ۵۶۰ میل ہے۔ یہ ایئر کرافٹ ٹرانسپورٹ اور فصلوں وغیرہ پر اسپرے کے کام آ سکتا ہے۔

۴۔ جدید فائٹر

یہ سویڈن ائر فورس میں شامل ہونے والا جدید فائٹر طیارہ J A S 39 ہے۔ اس طیارہ کو ایک انڈسٹری گروپ اور ساب ائر کرافٹ ڈویژن نے مل کر تیار کیا ہے۔ یہ ایک ہلکا لڑاکا طیارہ ہے اور اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک لڑاکا طیارہ میں ہونی چاہئیں۔

ادارہ

عکس ادھورے، کیجئے پورے

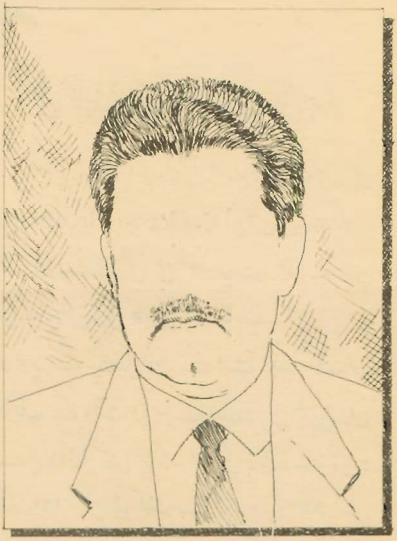

اِس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک شعبے سے تعلق رکھنے والی، دُنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کرتے ہیں۔ آپ کو ان شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجۂ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کریں گے۔ بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو تین ماہ کے لیے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ درست حل موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

- جوابات الگ کاغذ پر صاف صاف تحریر کئے جائیں۔
- ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو موصول ہو جائیں۔
- جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا۔

پتا انچارج انعامی مقابلہ "عکس ادھورے، کیجئے پورے"
ماھنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۷۴۸۰۰

گزشتہ ماہ کے

درست جوابات

جاوید میانداد
وجہ شہرت، کرکٹ

دنیائے کرکٹ اور دور حاضر کے عظیم بیٹسمین جاوید میانداد.... ۱۲ جون ۱۹۵۷ء کو کراچی کے متوسط طبقے کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔

۱۹۷۶ء میں نیوزی لینڈ کے خلاف جاوید نے اپنے ٹیسٹ کیریئر کا آغاز کیا اور پہلے ہی میچ میں ۱۶۳ رنز اسکور کر دیئے۔ جبکہ اسی سیریز کے تیسرے ٹیسٹ میں جاوید نے ۲۰۶ رنز کی شاندار اننگ کھیل کر کم عمری میں ڈبل سینچری بنانے کا ریکارڈ بنایا۔ ورلڈ کپ کی فتح میں جاوید نے اہم کردار ادا کیا انہوں نے مجموعی طور پر ۴۸۸ رنز بنائے۔ ٹیسٹ کرکٹ کے ساتھ جاوید ون ڈے میچز میں بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ۱۹۸۶ء میں شارجہ میں آخری گیند پر ان کا لگایا گیا چھکا لوگوں کو مدتوں یاد رہے گا۔ پاکستان کی جانب سے بیٹنگ میں تمام ریکارڈ جاوید کے پاس ہیں۔ اپنے پہلے ۵۰ ویں اور ۱۰۰ ویں ٹیسٹ میں سینچری بنانے کا ریکارڈ کم عمری میں ۴ سے ۸ ہزار رنز بنانے کا ریکارڈ، اس کے علاوہ میانداد دنیائے کرکٹ کے وہ واحد کھلاڑی ہیں جن کا بیٹنگ اوسط ابتدا سے اب تک ۵۰ سے کم نہیں ہوا۔

وسیم اکرم
وجہ شہرت، کرکٹ

وسیم اکرم نے ۳ جون ۱۹۶۶ء کو زندہ دلوں کے شہر لاہور میں آنکھ کھولی۔ کرکٹ کا شوق انہیں بچپن ہی سے تھا۔ وسیم ۱۹۸۴ء میں انڈر ۱۹ ٹیم میں شامل ہوئے۔ چند فرسٹ کلاس میچز کھیلنے کے بعد ۲۴ نومبر ۱۹۸۴ء ہی کو نیوزی لینڈ کے خلاف ون ڈے میچ میں انہیں قومی ٹیم میں شامل کر لیا گیا۔ انہوں نے اپنے ٹیسٹ کیریئر کا آغاز نیوزی لینڈ کے خلاف اسی کی سرزمین سے کیا۔ وسیم کی بولنگ کی صلاحیتیں دوسرے ٹیسٹ میں نظر آئیں۔ یہاں وسیم نے دس وکٹیں حاصل کر کے کم عمری میں دس وکٹیں لینے کا ریکارڈ قائم کیا۔

ورلڈ کپ ۱۹۹۲ء میں بھی وسیم نے عمدہ کارکردگی دکھائی اور پاکستان کی فتح میں اپنا حصہ بخوبی ادا کیا۔ خصوصاً فائنل میں وسیم کا کھیل شاندار رہا جس کی وجہ سے انہیں مین آف دی میچ کا ایوارڈ ملا۔ وسیم نے مجموعی طور پر ورلڈ کپ میں ۱۸ وکٹیں لے کر سب سے زیادہ وکٹیں لینے والے بالر کا اعزاز حاصل کیا۔ وسیم اب تک ۵۳ ٹیسٹ میچوں میں دو سو بائیس (۲۲۲) وکٹیں حاصل کر چکے ہیں۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام پانے والے خوش نصیب

عمر فاروق، کراچی۔

بالکل درست جواب دینے والے ساتھی

محمد وسیم اللہ خان، کراچی۔ آصف نور محمد، کراچی۔ روح اللہ سعدی، کراچی۔ مولا بخش بلوچ، ساجن گوٹھ۔ محمد عامر زکریا، کراچی۔ سید عاطف عطاء، کراچی۔ صائمہ یٰسین، کراچی۔ بشریٰ ہارون، عابد ہارون، اسماء ہارون۔ کراچی۔ پیر محمد بلوچ، کراچی۔ فراز مسعود، نواب شاہ۔ ہمایوں خان، کراچی۔ منور علی چاچڑ، ذوالفقار چاچڑ، گھوٹکی۔ حماد سرور، بہاولپور۔ حناز سرور، بہاولپور۔ ملک محسن رضا، بہاولپور۔ ندیم خان، کراچی۔ فرحت بتول، حیدر آباد۔ کامران اللہ، قریشی۔ حیدر آباد۔ ضیغم عباس جسکانی، حیدر آباد۔ شرجیل خالد، کراچی۔ فرحانہ محمد لطیف، حیدر آباد۔ ربنواز کھٹی، شاہنواز کھٹی، شائستہ کھٹی، حق نواز عرف سرفراز کھٹی، شہناز کھٹی، بدین۔ صفیہ علی بخاری، حیدر آباد۔ اسماعیل عبد الرحیم، کراچی۔ حنا اظہر وارثی، کراچی۔ محمد کاشف سعید خان، کراچی۔ افشین عابد رضا، کراچی۔ نعیم شریف، کراچی۔ ندیم خان، کراچی۔ رابعہ مسعود، رحیم یار خان۔ برکت علی روگی، سانگھڑ۔ خرم ندیم، کراچی۔ محسن پیٹھانی، کراچی۔ محمد فرقان، پشاور۔ معین الحق طاہر، لاہور۔ محمد افضال فاروقی، کراچی۔ نعمانی محمود کاشمیری، گوجرانوالہ۔ ذوالفقار علی شاہ قلی، طلعت شاہین، جنڈانوالہ۔ ایم طاہر خان، کراچی۔ محمد عظیم قریشی، ثنا اختر قریشی، محمد عمر قریشی، نسیمہ اختر قریشی، اسلام آباد۔ فرخ بشیر عبد القیوم خان، ایم اے قریشی، رفاقت حسین، عادل ستار، خادم حسین، خالد حسین، امجد حسین، منیبہ خانم، خرم شنزاد بھٹی۔ اسلام آباد۔ کاشف بشیر کاشف، ساہیوال۔ عامرہ خالق قریشی، عامر خالق قریشی، حنا خالق قریشی، عادل خالق قریشی، ایبٹ آباد۔ عبد الوہاب، رحیم یار خان۔ عامر رضا کھوکھر، کھاریاں، تنویر عالم ملتان۔ صائمہ سلار (؟) میر عدیل پرویز، میر راحیل پرویز، مظفر آباد آزاد کشمیر۔ افشاں غوری، حیدر آباد۔ جہاں زیب اسلم، کراچی۔ میر اللہ بخش، ملتان۔ محمد حسین، ملتان۔ نازیہ اسلم، صائمہ اسلم، کراچی۔ احمد مسعود، کراچی۔ فرخ ضیا، حیدر آباد۔ محمد علی جواد، لاہور۔ شگفتہ زبیری، کراچی۔ ملک محمد عباس ملتان۔ بابر زماں، کراچی۔ محمد توصیف، بھکر۔ اظفر تنویر، ملتان۔ عروج زہرا، راولپنڈی۔ شاہد بن عزیز، کراچی۔ شمائلہ نیاز، رحیم یار خان۔ محمد راحیل، عثمان عدیل، ارم، محمد عقیل، صائمہ شبیر، صائمہ شکیل، جہلم کینٹ۔ محمد طاہر غنی، کاشف غنی۔ ارشد حیات، فہد شبیر، سیف حمید، توصیف انور، محمد عرفان طاہر، اظہر علی۔ ضیا الرحمٰن ملک، فراز انجم، فرحین طاہر شمسی، کراچی۔ طارق یوسفی، وقاص یوسفی، سعد یوسفی، حیدر آباد۔ سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ سید صولت علی جعفری، حیدر آباد۔ نوشین شیخ، سحر شیخ، مہوش شیخ، نواب شاہ۔ محمد اختر قریشی محمد ارشد قریشی، محمد سرور قریشی، محمد انور قریشی، محمد رفیق قریشی، اسلام آباد۔ محمد ریاض حسین قمر، محمد شہباز قمر، محمد افتخار قمر، عثمان رانا، صبغہ قمر، بابر قمر، محمد ذیشان، سدرہ محمد عظیم اختر قریشی، اسلام آباد۔ فاطمہ تراب، حیدر آباد۔ غلام شبیر وسیم، خانیوال۔ چوہدری محمد امین، برنالہ، آزاد کشمیر۔ شوکت حیات صدیقی، لیہ۔ نسیم احمد، میانوالی۔ سید شیر شاہ، گجرات۔ صائمہ شمس، کراچی۔ امین محسن، (؟) چوہدری اعجاز احمد خوشاب۔ منیر احمد فردوس، ڈیرہ اسماعیل خان۔ عبد المجید عثمانی، جھنگ۔ حاجی مرزا جواد طاہر، شیخوپورہ۔ مدیحہ اسماعیل۔ کراچی۔ محمد عبد اللہ سجاد، لاہور۔ محمد فیصل ضیاء بہاولپور۔ فرحان قمر، فوزیہ قمر عرفان قمر، لاہور۔ رضوان ظہیر خان زادہ، کراچی۔ سید عظیم علی، گجرات۔ ارم فاطمہ، سکھر۔ ارم حبیب خان، لاہور۔ خرم فیصل (؟) سیدہ شہربانو بخاری، رحیم یار خان۔ اعجاز احمد لاہور، تسلیم سلطان، کراچی۔ صمصام اللہ خان، کراچی۔ عین الحق امین، کراچی طلحہ احمد طاہر، سرگودھا۔ حنا فریحہ خدیجہ، لاہور۔ محمد احمد امین، کراچی۔ محمد علی عبد الحئی، اوکاڑہ۔ نائلہ دلاور خان، کراچی۔ محمد سلیم رضا، لاہور۔ مجیب الرحمان لغاری، ٹنڈو محمد خان۔ عبد الحفیظ شاہد، مخدوم پور پہوڑاں۔ محمد بخش انصاری، مخدوم پور پہوڑاں۔ حسن انظار عثمانی، لاہور۔ محمد عمر عالم خان، کراچی فواد فیروز، کراچی۔ خرم طارق جگنو، گوجرانوالہ۔ محمد بلال، مینگورہ۔ محمد ہدایت اللہ شاہ، ڈیرہ اسماعیل خان۔ شیر نواز گل، پشاور۔ خرم نذر وڑائچ، لاہور۔ سیدہ ارم فاطمہ نقوی، (؟) علی اصغر، ساہیوال۔ حفیظ الرحمٰن، فرباح صغیر، مناج صغیر، صدف جمیل، عاطف جمیل، کاشف جمیل تربت۔ محمد محمود ظفر مہناس ملتان۔ پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔ حاجی مظفر حسین لاشاری، بہاولنگر۔

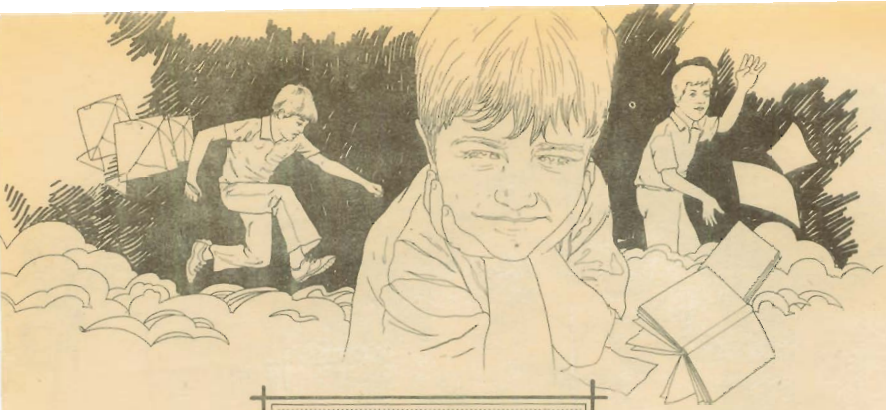

ننھے میاں سے

محمد اظہار الحق

تم نے پھاڑا مری کاپی کو گرائی ہے دوات
تم نے اک کھیل کتابوں کو بنا رکھا ہے
میرے کمرے کی ہر اک چیز ہے درہم برہم
تم نے گھر بھر میں بھی اودھم سا مچا رکھا ہے
ان کھلونوں سے پتنگوں سے تو فرصت ہی نہیں
اور اسکول کو جانا ہو تو بیمار ہو تم!
نام سُنتے ہی پڑھائی کا بگڑ جاتے ہو!
کس قدر شوخ ہو، چالاک ہوشیار ہو تم
تم نے چنّوں کو کسی کام کا چھوڑا ہی نہیں
اور پپّو کو بھی بیکار بنا رکھا ہے
نہ تو پڑھتے ہو نہ کام ہی تم کرتے ہو
یونہی بس شور سے گھر سر پر اُٹھا رکھا ہے
اک پل ایک گھڑی بھی تمہیں آرام نہیں
بس شرارت کے سوا اور کوئی کام نہیں

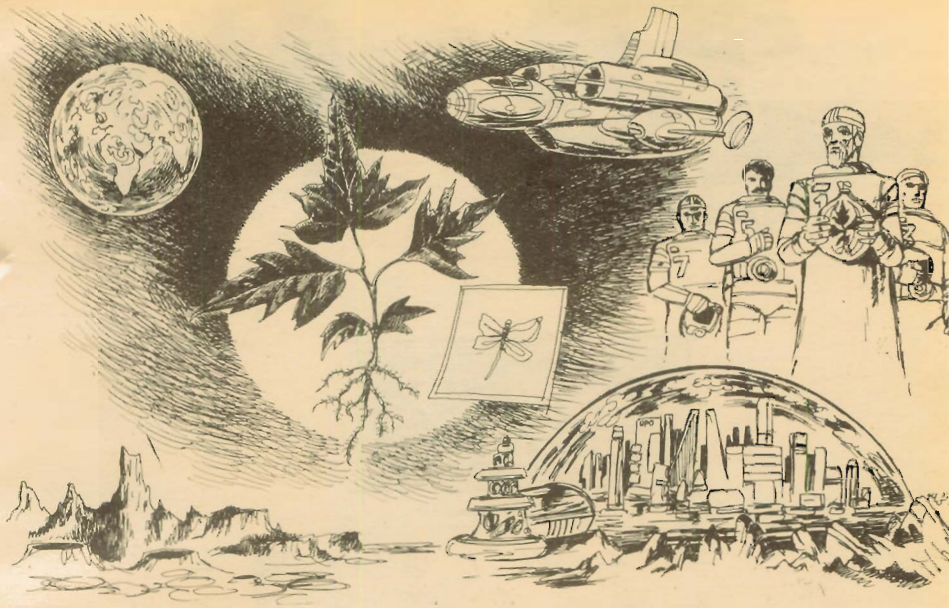

زندگی کی واپسی

محمد عادل منہاج

خلائی اسٹیشن پر بے پناہ رش تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ آج کا دن واقعی اہم تھا۔ خلائی اسٹیشن کے بیچوں بیچ ایک راکٹ اڑنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ جلد ہی قریبی عمارت کا دروازہ کھلا اور چار خلا باز نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر لوگوں نے پُرجوش انداز میں تالیاں بجائیں۔ وہ بھی ہاتھ ہلاتے ہوئے راکٹ کی طرف بڑھے۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ راکٹ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ ڈاؤن کاؤنٹنگ شروع ہوئی۔

صفر کے ساتھ ہی گونج دار آواز کے ساتھ راکٹ تیر کی طرح فضا میں بلند ہوا اور پھر اوپر اٹھتا چلا گیا۔ لوگوں کی نگاہیں راکٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک زاویئے پر مڑ کر وہ تیزی سے خلا کے بے کراں وسعتوں میں گم ہو گیا۔

"کیا یہ لوگ کامیاب ہو جائیں گے؟" راکٹ کے آسمان پر غائب ہو جانے کے بعد خلائی اسٹیشن پر کھڑے ایک نوجوان نے کہا۔

"خدا جانے۔ مجھے تو یہ سب خواب سا لگ رہا

ہے۔" دوسرے نوجوان نے کندھے اچکائے۔

ادھر راکٹ میں چاروں خلا باز ادھر ادھر تیرتے پھر رہے تھے۔ دو خلا باز آلات سے الجھے ہوئے تھے اور دو کی نظریں اسکرین پر لگی ہوئی تھیں۔ جس پر ایک روشن چمکدار سیارہ نظر آ رہا تھا۔

"کس قدر چمکدار ہے یہ۔ اب تک ہم اسے دور سے دیکھتے رہے ہیں۔ یقین نہیں آ رہا کہ ہم اس پر اترنے والے ہیں۔" ایک خلا باز بولا۔

"کیا ہمارے سائنس دانوں کا اندازہ درست نکلے گا؟ کیا وہ سب کچھ دیکھ سکیں گے جو ہم نے صرف تصویروں میں دیکھا ہے؟" دوسرا بولا۔

"امید تو ہے کہ ہم اس بے کیف زندگی سے نجات پالیں گے اور...... اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گا۔" پہلے نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"کیا خیال ہے کتنا لمبا سفر ہو گا؟" آلات سے الجھے خلا باز نے پوچھا۔

"صرف دو دن کا اور پھر ہمارے تصوّرات کی دنیا ہمارے سامنے ہوگی۔"

دو دن انہوں نے اسی طرح باتیں کرتے گزار دیئے۔ دو دن کے بعد وہ سیارے کے مدار میں پہنچ گئے اور ان کا خلائی جہاز سیارے کے گرد چکر لگانے لگا۔ جہاز میں لگے کیمرے دھڑادھڑ سیارے کی تصاویر اتارنے میں مصروف تھے۔ چاروں خلا باز تصویریں دیکھ رہے تھے اور سیارے کے گرد موجود فضا کا جائزہ لے رہے تھے۔

"یہ یہ کیا؟" اچانک ایک خلا باز چِلّایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔

"کیا ہوا؟" تینوں خلا باز اس کی طرف مڑے اور تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"ناقابل یقین۔ یہ تو ایک کیڑے کی تصویر ہے۔" دوسرا خلا باز بڑبڑایا۔

"اس __ اس کا مطلب ہے کہ یہاں زندگی پیدا ہو چکی ہے؟"

"فوراً دوسری تصویروں کا جائزہ لو۔"

چاروں اب پُرجوش انداز میں تصویریں دیکھنے لگے۔ کسی میں چٹیل میدان تھا کہیں گہری کھائیاں تھیں، کہیں اونچے اونچے ٹیلے تھے۔

"یہ دیکھو پودا!" خلا باز چِلّا اٹھا۔

"پودا...... اف میرے خدا...... یہ تو واقعی ایک ننھا سا پودا ہے۔ اب تو میری بے چینی بڑھ گئی ہے۔ میں فوراً سیارے پر اترنے کے لئے بے چین ہو چکا ہوں۔ مم...... میں یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" تیسرا خلا باز بولا۔

"ہاں ...... بس اب ہمیں اتر جانا چاہئے۔"

انہوں نے سیارے کا جائزہ لیا اور اترنے کی جگہ منتخب کی پھر خلائی جہاز نے سیارے کو چھو لیا۔ دو خلا باز نیچے اتر آئے۔

"آکسیجن تو وافر مقدار میں موجود ہے۔" خلا باز نے لمبا سانس کھینچا۔

"ظاہر ہے۔ جب یہاں پودے ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں تو آکسیجن بھی ہوگی۔" دوسرا بولا۔

"آؤ آگے چلتے ہیں۔ یہاں کی ویرانی دیکھ کر

میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ انسان اتنا بے وقوف بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جنت کو آگ لگا دے۔"

"یہ رہا یہ رہا وہ پودا۔" پہلا خلا باز تیزی سے آگے بڑھا اور نیچے بیٹھ گیا۔ یہاں دو چھوٹے چھوٹے پودے سر ابھار رہے تھے۔

"ہمیں ایک پودا نکال لینا چاہئے۔ ہمارے لوگوں کے لئے یہ ایک انوکھا تحفہ ہو گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" دوسرے خلا باز نے پودے کو جڑ سمیت احتیاط سے نکالا اور ایک تھیلی میں رکھ لیا۔ پھر پہلے خلا باز نے بیگ سے چند آلات نکالے اور کچھ چیک کرنے لگا۔

"فضا میں کچھ زہریلی گیسیں موجود ہیں۔"

"ظاہر ہے وہ تو ہوں گی مگر ہمیں امید ہے کہ ہم فضا کو صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ہاں جب ہم اتنے کٹھن حالات میں زندگی گزار سکتے ہیں تو یہ تو ایک آئیڈیل جگہ ہے۔"

"میرا خیال ہے اب واپس چلنا چاہئے ہمیں لوگوں کو یہ عظیم خوشخبری بھی سنانی ہے۔"

اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوا۔ خلا بازوں نے خلائی اسٹیشن میں اپنی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی۔ اس بار خلائی اسٹیشن پر پہلے سے بھی زیادہ رش تھا۔

راکٹ کو خلائی اسٹیشن پر اترنے میں ذرا ہی دیر ہوئی تھی۔ وہ سب سر اٹھائے اس سیارے کو دیکھ رہے تھے جس پر ان کے خلا باز قدم رکھ چکے تھے۔ اور جس پر پہنچنے کے خواب دیکھتے ہوئے ان کے آباؤ اجداد مر کھپ گئے تھے۔

راکٹ جونہی اسٹیشن سے لگا۔ تالیوں اور سیٹیوں کا ایک شور گونج اٹھا۔ چاروں خلا باز فتح کا نشان بناتے ہوئے باہر نکلے اور خلائی عمارت میں داخل ہو گئے۔ "مبارک ہو سر۔ آپ لوگوں کے اندازے درست نکلے۔ اب وہاں زندگی موجود ہے اور یہ ہے وہاں کی زندگی۔" خلا باز نے تھیلی میں موجود پودا سائنس دان کے حوالے کر دیا۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔ لوگ بے چینی سے منتظر ہیں۔"

وہ سب خلائی عمارت سے باہر نکلے۔ میدان کے بیچوں بیچ ایک اسٹیج بنا ہوا تھا۔ خلا باز اور سائنس دان اسٹیج پر چڑھ گئے۔ ایک بوڑھا سائنس دان مائک کے سامنے آیا تو یک لخت خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی کہ سوئی بھی گرتی تو آواز آتی۔ آخر کار یہ خاموشی ٹوٹی اور معمر سائنس دان کی آواز گونجی۔

"چاند پر بسنے والو۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"تمہارے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔ ہمارے پرانے سیارے زمین پر دوبارہ زندگی کا آغاز ہو گیا ہے۔ جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے، آج سے سینکڑوں برس پہلے ہمارے آباء واجداد اسی زمین پر رہا کرتے تھے ان دنوں زمین ایک خوبصورت اور زندگی سے بھرپور سیارہ تھا۔ وہاں درخت تھے

پرندے تھے، پھول تھے، دریا اور پہاڑ تھے، وہاں زندگی کی تمام رعنائیاں تھیں مگر افسوس کہ ہمارے آباء و اجداد نے ان کی قدر نہ کی۔ انہوں نے سائنسی ترقی کی دوڑ میں پڑ کر ان نعمتوں کو برباد کر دیا۔ وہ لوگ درخت اور پودے اگانے کی بجائے ایٹم بم اور ایٹمی ری ایکٹر اگانے لگے۔ درخت کم ہوتے گئے، ایٹم بم بڑھتے گئے، دشمنیاں بڑھتی گئیں، ہوس بڑھتی گئی اور پھر اس جنگ کا آغاز ہو گیا جس میں یہ سارے ایٹم بم پھٹ پڑے۔ دنیا تباہ ہو گئی۔ زندگی ختم ہو گئی جنگ کے دوران جن کے بس میں تھا وہ تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے چاند پر آ گئے۔ بہت کم لوگ ہی چاند پر پہنچ سکے باقی ساری دنیا زمین پر تباہ ہو گئی۔ جب کچھ لوگ جان بچا کر چاند پر آئے تو یہاں کچھ نہ تھا۔ نہ ہوا، نہ فضا، نہ پانی۔ آخر بڑی مشکلوں سے یہاں آکسیجن پلانٹ لگایا گیا اور ایک محدود حصے پر اوزون جیسی گیس کی تہہ بچھائی گئی تاکہ آکسیجن چاند کے اس حصے میں گردش کرتی رہے۔ یہاں پودے اگانے کی بڑی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ جگہ جگہ آکسیجن پیدا کرنے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرنے کے پلانٹ لگانے پڑے۔ غرض یہاں زندگی بے حد کٹھن تھی۔ ہم نے یہاں ایک مشکل اور بے کیف زندگی گزاری ہے۔ نہ یہاں پودے ہیں نہ پھول نہ جانور نہ پرندے۔ بس زندگی گزارنا ہی واحد مقصد رہا ہے۔ ہمارے سائنس دان عرصہ دراز سے زمین کا جائزہ لیتے رہے ہیں کہ وہاں

معلومات پاکستان

○ ..... پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

○ ..... پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔

○ ..... پاکستان کے پہلے صدر اسکندر مرزا تھے۔

○ ..... پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان تھے۔

○ ..... پاکستان کا پہلا ٹی وی اسٹیشن لاہور میں نومبر ۱۹۶۴ء میں قائم ہوا۔

○ ..... پاکستان کا پہلا عجائب گھر ۱۹۵۰ء میں کراچی میں قائم ہوا۔

○ ..... پاکستان کا پہلا ڈاک ٹکٹ ۹ جولائی ۱۹۴۸ء کو جاری ہوا۔

○ ..... پاکستان کا پہلا سکہ ۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو جاری ہوا۔

○ ..... پاکستان کا پہلا اخبار روزنامہ امروز تھا۔

○ ..... پاکستان کے پہلے وزیر دفاع لیاقت علی خان تھے۔

○ ..... پاکستان کے پہلے چیف آف اسٹاف کے عہدے کا حلف قائداعظم نے ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو اٹھایا۔

○ ..... پاکستان کے پہلے چیف جسٹس مسٹر جسٹس میاں عبدالرشید تھے۔

○ ..... پاکستان کے پہلے ہلال جرات حاصل کرنے والے فوجی کا نام کیپٹن ظفر اقبال تھا۔

○ ..... پاکستان کی پہلی کابینہ نے اپنے عہدے کا حلف ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اٹھایا۔

○ ..... پاکستان کا پہلے بحری جہاز کا نام العباس تھا۔

مرسلہ..... رشید احمد خان، کراچی

جواہر پارے

○ — اس پھول کی مانند بنو جو ان کے ہاتھوں میں بھی جا کر خوشبو دیتا ہے جو اسے مسل دیتے ہیں۔

○ — خواہشات کے جنگل میں اس طرح نہ گر جانا کہ واپسی کا راستہ بھول جاؤ۔

○ — نفس کو اپنے مرتبے کے پے خوار نہ کرو۔

○ — ناقابل اعتماد دوستوں سے تنہائی بہتر ہے۔

○ — قدر شناس نہ ملے تو نیکی سے ہاتھ نہ روکو۔

پانی پینے کے آداب

○ — برتن دائیں ہاتھ سے پکڑیں۔

○ — پانی پینے سے پہلے برتن میں دیکھ لیں۔

○ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔

○ — سانس برتن سے باہر لیں۔

○ — پانی بیٹھ کر پئیں البتہ دو قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔

۱) آب زم زم ۲) وضو سے بچا ہوا پانی

مرسلہ : اعظم شاہد، فیصل آباد

واپس جانا ممکن ہے یا نہیں مگر کئی سو سالوں تک وہاں بم پھٹنے کی وجہ سے گرد کے بادل چھائے رہے نتیجتاً وہاں سخت سردی پڑی اور ہر طرح کی زندگی ختم ہو گئی، جراثیم اور بیکٹیریا تک ہلاک ہو گئے۔ جب گرد کے بادل چھٹے تو تابکاری اثرات اتنے تھے کہ وہاں کوئی سانس بھی نہ لے سکتا تھا۔ ہم انتظار کرتے رہے اور انتظار میں صدیاں گزر گئیں۔ بالآخر آج ہمیں خوشی کا یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے کہ زمین پر تابکاری اثرات تقریباً ختم ہو گئے ہیں اور

وہاں..... ایک بار پھر زندگی کا آغاز ہو گیا ہے۔ اور یہ ہے وہاں کی زندگی ایک ننھا سا پودا۔"

سائنس دان نے پودا لوگوں کو دکھایا تو لوگوں نے بے اختیار تالیاں بجا کر زمینی زندگی کا استقبال کیا۔ "لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ ہم چاند کو الوداع کہیں اور واپس اپنے سیارے زمین پر چلیں۔ مگر — وہاں جانے سے پہلے ہمیں یہ عہد کرنا ہو گا کہ اب زمین پر کوئی ایٹمی تجربہ نہیں ہو گا۔ کوئی ایٹم بم نہیں بنے گا۔ نہ کوئی بڑی طاقت نیوکلیر ہتھیار بنائے گی نہ چھوٹی طاقت۔ ہمیں اب زمین کو مزید کسی تباہی سے بچانا ہو گا۔ اب زمین پر ہتھیار نہیں درخت لگیں گے۔"

"ہم عہد کرتے ہیں زمین کو بچائیں گے۔ زندگی کی قدر کریں گے۔" سب لوگ چلائے۔

صدیوں بعد انسان دوبارہ زمین پر آباد ہو چکا تھا۔ زمین پر درخت اور پودے جھوم رہے تھے۔ پھول مسکرا رہے تھے۔ لوگ آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔

دوسری طرف زمین کے سب سے بڑے ملک کا سربراہ اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ مجھے دوبارہ سپر قوت بننا ہے اس کے لئے مجھے طاقت چاہئے میرے پاس لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ایٹم بم اور نیوکلیر بم ہونے چاہئیں پھر یہی کچھ سوچ کر وہ اپنے ملک کے سب سے بڑے سائنس دان کو فون کرنے لگا!!

آنکھ مچولی البم

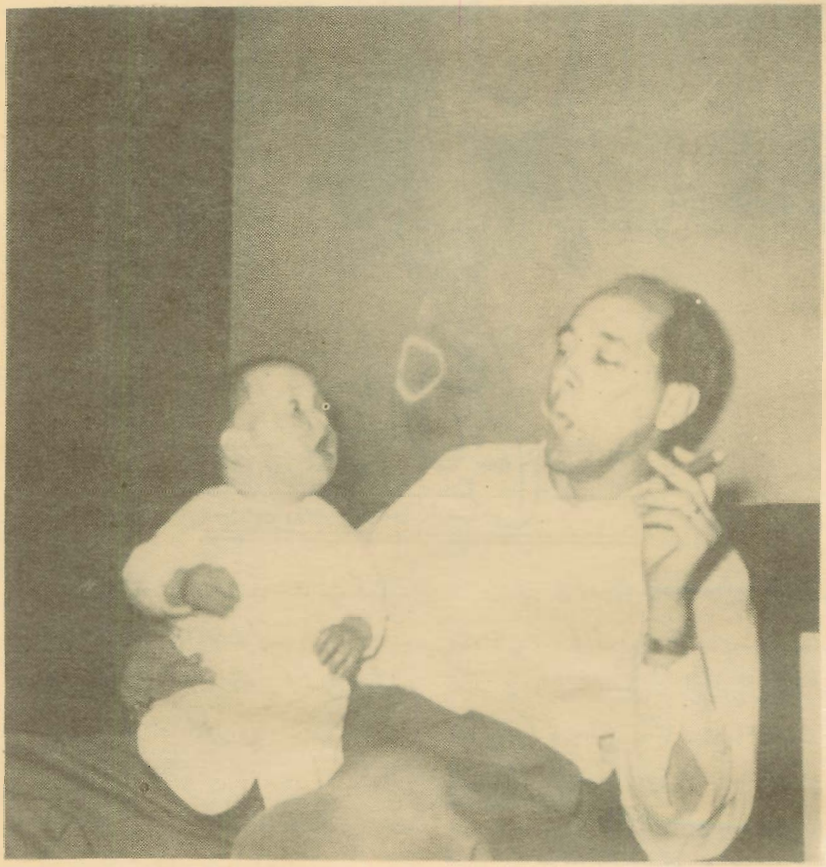

آپ کو سگریٹ سے نفرت نہیں ، تعجب ہے !
آپ کو مجھ سے محبت نہیں ، تعجب ہے !

نورجہاں بیگم

سیّد مسعود حسن رضوی ادیب

اکبر بادشاہ کے زمانے کی بات ہے کہ ایک ایرانی امیر زادہ مرزا غیاث بیگ نام مفلسی کے ہاتھوں ایسا تنگ آیا کہ روٹیوں کو محتاج ہو گیا۔ اکبر عالموں اور ہنر مندوں کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس کی سخاوت کا شہرہ سن سن کر دور دور سے اہل کمال اسکے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ غیاث بیگ بھی آدمی تھا بہت پڑھا لکھا۔ سوچا کہ میں بھی اکبر کے دربار میں جاؤں اور اپنی قسمت آزماؤں۔

بے چارے کو اتنا بھی میسّر نہ تھا کہ ایران سے ہندوستان تک کا دُور دراز سفر آرام سے طے کر سکتا۔ نہ سواری ممکن تھی نہ زادِ راہ پاس تھا، مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ دل نے کہا کہ جب نصیب میں فاقے ہی ہیں تو جیسا گھر ویسا سفر۔ اگر مرتے کھپتے ہندوستان پہنچ گئے تو شاید ہمارے دن پھریں اور گزر اوقات کی کوئی صورت نکل آئے۔ یہ سوچ کر اس نے سفر کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بیوی حاملہ تھی۔ اس لئے اس کو ایک گھوڑے پر سوار کیا اور

خود پاپیادہ خدا کا نام لے کر چل کھڑا ہوا۔

ابھی مرزا غیاث کو گھر سے نکلے ہوئے بہت دن نہ ہوئے تھے کہ اس کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی کیا تھی چاند کا ٹکڑا، نور کی پتلی تھی۔ اس کا نام مہرالنسار کھا۔ بے چارے ماں باپ دکھ بھرتے مصیبتیں جھیلتے، منزلیں مارتے چلے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں یہ پیارا پیارا بچہ بھی جان کا وبال ہو گیا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے۔ ماں نے اپنے دل کے ٹکڑے کو سینے سے لگا لیا اور پھر دونوں نے اپنی راہ لی۔

کچھ دور گئے تھے کہ وہ گھوڑا جس پر غیاث کی بیوی سوار تھی، مر گیا۔ خدا نہ کرے کسی کے بُرے دن آئیں۔ بے چاری فاقوں کی ماری، بچہ گود میں ایک ایک قدم اٹھانا دشوار تھا۔ جو زادِ راہ پاس تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مگر اپنی جان سے زیادہ اپنے بچے کی فکر تھی۔ دونوں حیران تھے کہ کیا کریں اور بچے کو کس کے سپرد کریں۔ جنگل بیابان کا واسطہ۔ نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد۔ ایسے وقت میں انسان کا دھیان اسی کی طرف پہنچتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ انہوں نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو ایک جھاڑی کے نیچے لٹا کر خدا کے سپرد کر دیا اور اپنے دل پر پتھر رکھ کر پھر چل کھڑے ہوئے۔

کم زوری یوں ہی نہ چلنے دیتی تھی۔ اب جو اپنے بچے کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر چلے تو پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ آخر ماں کی ممتا پھڑ پھڑائی۔ شوہر سے کہنے لگی کہ "مہر کی ننھی سی جان اور یہ سنسان میدان! اگر موذی جانوروں کے پنجے میں نہ پڑی تو بھی تنہائی میں دہل دہل کر یا بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ اس خیال سے میرا دل دھڑکنے لگتا ہے اور پاؤں نہیں اٹھتے۔ تم بچے کو اٹھا لاؤ۔ میں اسے اپنے گلے کا ہار کروں گی۔ خدا مالک ہے۔ جس نے اسے پیدا کیا ہے وہی اس کی پرورش کا سامان بھی کرے گا۔"

مرزا غیاث کا دل بھر آیا۔ واپس گیا۔ دیکھا کہ معصوم بچی اکیلی پڑی ہوئی ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ وہ حسن کی ننھی سی مورت اس لق ودق میدان میں ایسی بھلی معلوم ہوتی تھی جیسے سرِ شام آسمان پر پہلا تارا۔ باپ نے لپک کر اٹھا لیا اور الٹے پیروں واپس آ کر بچے کو ماں کی گود میں دے دیا۔ ماں نے خوب جی بھر کے پیار کیا اور کلیجے سے لگا لیا۔

خدا کی قدرت دیکھو! ابھی بہت دور نہ گئے تھے کہ ایک قافلہ مل گیا۔ قافلے میں کوئی ایسا خدا ترس نیک دل بندہ بھی تھا جس نے ان غریب مسافروں کے حال پر ترس کھا کر ان کے کھانے پینے اور ہندوستان پہنچا دینے کا بار اپنے سر لے لیا۔ خدا جس کو مقدرت دے اسے ایسا ہی دل بھی عطا کرے۔

قصہ مختصر، مرزا غیاث ہندوستان پہنچ گئے اور بادشاہ اکبر کے دربار تک ان کی رسائی ہو گئی۔

جہاں پناہ نے حکم دیا کہ مرزا غیاث کو ان کی لیاقت کے موافق کوئی عہدہ دیا جائے اور ان کی بی بی کو شاہی محل میں جگہ ملے۔

مہرالنسا نصیبے کی سکندر تھی کہ جنگل میں پیدا ہوئی اور محلوں میں پلی۔ ماں باپ کے لئے بھی وہ گویا رحمت کا فرشتہ تھی۔ اس کے پیدا ہوتے ہی ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی۔ ایک دن وہ تھا کہ مرزا غیاث کوڑی کوڑی کو محتاج، فاقہ مست، جنگلوں کی راہ پا پیادہ طے کرتے چلے جا رہے تھے۔ اب وہی مرزا غیاث ہیں کہ عزت اور ترقی کے قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ کل کچھ تھے تو آج کچھ ہیں۔ شاہی دربار میں بھی ان کی بات پوچھی جاتی ہے۔ مہرالنسا کی ماں کی عزت بھی روز بہ روز بڑھتی چلی گئی۔ کہاں خود اپنے پیٹ کو روٹی، تن کو کپڑا میسر نہ تھا، کہاں اب نوکر چاکر، مامائیں، اصیلیں سب ہی خدمت کو موجود ہیں۔ سچ ہے خدا کو فضل کرتے دیر نہیں لگتی۔

مہرالنسا کے معنی ہیں وہ عورت جو عورتوں میں مثل آفتاب کے ہو۔ مہرالنسا کا جیسا نام تھا وہ تھی بھی ویسی ہی۔ جب کبھی شاہ زادیوں میں بیٹھ جاتی تھی تو ان کا حسن اس کے آگے ماند پڑ جاتا تھا۔ خدا نے اس کو جیسی صورت دی تھی ویسی ہی سیرت بھی عطا کی تھی۔ اس کی خُوبُو، اس کا رکھ رکھاؤ، اس کی بات چیت ایسی تھی کہ سب اس کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

جب مہرالنسا کے بیاہ کے دن آئے تو شہنشاہ اکبر نے اس کی شادی ایک ایرانی نوجوان سے کر دی جو شیرافگن کے نام سے مشہور ہے اور اس کو بنگال کا صوبہ دار کر دیا۔ اکبر کا بیٹا جہانگیر مہرالنسا کی بہت تعریف سن چکا تھا۔ اس کی دلی آرزو تھی کہ مہرالنسا کی شادی میرے ساتھ ہو، اس لئے اسے بہت رنج ہوا۔ مگر باپ کے سامنے زبان ہلانے کی تاب نہ تھی۔ لہو کے گھونٹ پی کر رہ گیا

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت پر بیٹھا تو دل میں جو آگ سلگ رہی تھی وہ بھڑک اٹھی۔ اس نے کسی تدبیر سے شیرافگن کو مروا ڈالا اور مہرالنسا کو بہت عزت و حرمت کے ساتھ بلوا کر شاہی محل میں رکھا۔ کچھ دن بعد جہانگیر نے اس کو شادی کا پیغام دیا۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔ اسے اپنے شوہر کے مرنے کا اتنا غم تھا کہ بہت دن تک نہ بادشاہ سے بات کی نہ اس کا سامنا کیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ کیسا ہی غم کا پہاڑ کیوں نہ ٹوٹ پڑے۔ جیسے جیسے دن گزرتے ہیں صدمہ کم ہوتا جاتا ہے۔ مہرالنسا کے دل سے بھی شوہر کی یاد مٹتی گئی۔ ادھر جہانگیر بھی اس کا دل خوش کرنے اور اپنے ساتھ شادی کر لینے پر راضی کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر پورے چھ برس کے بعد مہرالنسا نے سوگ بڑھایا اور بادشاہ کی درخواست منظور کر لی۔ اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے جہانگیر کے ساتھ ہو گئی۔ جہانگیر نے اس کا پرانا نام بدل کر نور محل رکھا اور کچھ دن بعد

اس کو بھی بدل کے نور جہاں کر دیا۔

یہ وہی مہرالنسا ہیں جن کے ماں باپ ایک زمانے میں روٹیوں کو محتاج تھے۔ آج نور جہاں ہو کر ہندوستان کی ملکہ بنی بیٹھی ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی عورتیں ان کی خدمت کو اپنا فخر سمجھ رہی ہیں۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دنیا کا کارخانہ یوں ہی چلتا ہے۔ کبھی غریب امیر ہو جاتے ہیں، کبھی بادشاہ فقیر ہو جاتے ہیں۔

جہانگیر عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اسے شراب و کباب سے فرصت نہ تھی۔ اب جو ایسی لائق بیوی مل گئی تو اس نے سلطنت کا کُل انتظام اسی پر چھوڑ دیا۔ کہا کرتا تھا کہ اپنی سلطنت ایک جام شراب کے عوض میں نور جہاں کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے۔ نور جہاں نے اپنی قابلیت کا ایسا سکہ بٹھایا کہ سکّوں پر بادشاہ کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لکھا جانے لگا۔

نور جہاں بڑی عقل مند عورت تھی۔ اس نے بہت سے نئے نئے زیور، رنگ رنگ کے لباس، طرح طرح کے کھانے ایجاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ گلاب کا عطر بھی پہلے پہل اسی نے بنایا تھا۔ وہ شعر بھی بہت اچھے کہتی تھی۔ اگر تم فارسی پڑھ چکے ہوتے تو میں تم کو نور جہاں کے کچھ شعر سناتا۔ نور جہاں کی بات چیت کا انداز بھی بہت اچھا تھا۔ بات کرتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ حاضر جواب ایسی تھی کہ مشکل سے مشکل بات کا فوراً جواب دیتی تھی، پھر جواب بھی ایسا کہ اور لوگ سوچتے سوچتے تھک جائیں مگر ویسا جواب نہ بن پڑے۔ گھوڑے کی سواری میں وہ بڑے بڑے شہسواروں کی مات کرتی تھی۔ تیر و تفنگ چلانے میں بھی بند نہ تھی۔ عورت ہو کر مردوں سے زیادہ ہمت رکھتی تھی۔ میدان جنگ میں جا کر دشمن کی فوج سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ بہادری کا یہ حال تھا کہ شیر کا شکار کھیلتی تھی۔ ایک دن نور جہاں نے پے در پے چار شیر مارے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ہزار اشرفیاں نثار کروائیں اور الماس کی ایک پہنچی جس کی قیمت لاکھ روپے تھی بیگم کو انعام میں دی۔

نور جہاں کی ہمت اور بہادری کا حال سن کر تم یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ سخت دل عورت تھی۔ بہادری اور چیز ہے اور سنگ دلی اور چیز ہے۔ نور جہاں کا دل بہت نرم تھا۔ وہ کسی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کرتی تھی۔ نہایت سخی تھی۔ اس نے ہزاروں غریب لڑکیوں کی شادی اپنے خرچ سے کر دی۔

جب جہانگیر مر گیا تو نور جہاں کو بے انتہا قلق ہوا۔ ساری عمر اس نے سوگ میں کاٹی۔ بارہ برس کے بعد خود بھی دنیا سے رخصت ہو گئی۔ نور جہاں کا مقبرہ لاہور میں ہے۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

ناقابل اشاعت تحریریں ضائع کر دی جاتی ہیں واپسی کا تقاضانہ کیجئے۔ تحریر بھیجتے وقت اس کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھئے!!

"ماں کی ممتا" محمد اسلم ندیم تھراج (؟) "شرارت کی سزا" اکبر شاہد غوری، بھکر "آنکھ مچولی" "ملک و قوم" اکبر شاہد غوری، بھکر۔ "قائد اعظم اور سپاہی" محمد ظہیر الدین، اٹک۔ "کرکٹ کا شوق" احمد حسن اختر، کراچی۔ "خزانے کی تلاش" محمد ہمایوں بابر، پشاور۔ "بلا عنوان" فوزیہ ناز، اوکاڑہ، "کشمیر کو بچاؤ" خالد محمود جری، آزاد کشمیر۔ "عبد اللہ اور پری" جنید احمد (؟) "قصور کس کا" سرمد ملک، آزاد کشمیر۔ "مل کر رہو" گلستان احمد (؟) "پیاری بھابھی" ملیحہ ثانیہ سحر، واہ کینٹ۔ "ایک ہی آرزو" عبد القدیر انڈہٹر. پنو عاقل۔ "ہمدردی" محمد اسحاق وردگ" پشاور۔ "علم" آزاد منظور، سرحد۔ "ماں کی نصیحت" محمد خالد آرائیں، نواب شاہ۔ "پاکستان" وسیم انجم، منگلہ کینٹ۔ "اے مرے وطن" "سفارش" طسین خان نیازی، فیصل آباد۔ "میری بکری" "چٹکلے" "معلومات" غلام فخر الدین، جرید۔ "میری کہانی" محمد بلال، سوات۔ سردی کا موسم آیا" مظہر ہاشمی، کراچی۔ "جھوٹ کی سزا" خالد منصور، کراچی۔ "آدھا بھیا" تاج رسول بربری، میانوالی۔ "نیا سال" محمد آصف خان، میرپور خاص۔ "پیدائش قائد اعظمؒ" مریم جعفری، کراچی۔ "ہماری کاروائی اور ...... " ریاض احمد، روہڑی، "گڑیا رانی" محمد نور الابصار، کراچی۔ "بیوقوف کون" اسما اصغر، راولپنڈی۔ "ایک معذور کی زندگی" جدون ادیب، کراچی۔ "شیر شمشیر" قرۃ العین کراچی، "عقلمند وزیر" محمد سلمان فاروق، کراچی۔ "بلا عنوان" محمد حسین سروش، نواب شاہ۔ "آسان نسخے" راجکمار، بخشاپور۔ "درخواست" محمد عثمان حبیب، سعودی عربیہ۔ "سنگدل بادشاہ" لیاقت حسن علوی، ملتان۔ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی ...... عفیفہ ابراہیم، کراچی۔ "ایمانداری کا پھل" فوزیہ رفیق، شیخوپورہ۔ "عالم میں اسلام میں اتحاد" "بھول" اعجاز حسین شیخ، میانوالی۔ "حضرت لقمانؒ کا واقعہ" محمد اسیم خان، اٹک۔ "محنت میں عظمت، لیاقت حسین علوی، ملتان۔ "ڈائنو سار" کاشف قادر شاہ، سیالکوٹ۔ "ہمدردی "ڈولفن" محمد حسین سروش، نواب شاہ۔ "غرور کی سزا" محمد اشفاق کامران، بھکر۔ "باپ کی محبت" طارق محمود انجم، سرگودہا۔ "یہ بوسنیا ہے" زاہدہ پروین، فیصل آباد۔ "تاریخ مسجد نبوی" "شبیر احمد آصف کھوکھر، گڑھ فتح شاہ۔ "نسخہ کیمیا" صائمہ شاد، کراچی۔ "چور کی شرمندگی" فیصل رشید، کراچی۔ "معلومات" "نعت رسولؐ" "زندگی" سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ "ٹھگ باز ماموں" محمد اقبال، میانوالی۔ "میری بلبل" ارم روف، راولپنڈی۔ "اسے مت پڑھیں" محمد معظم اعزاز، ملتان۔ اور میں نے دوڑ لگا دی" "ماں کی بد دعا" محبوب الرحمان "کچھوا اور خرگوش" کلیم خلیق احمد، کراچی۔ "وقت کی پابندی "جمشید احمد خان انصاری، کراچی۔ علم بڑی دولت ہے" محمد جبران عبد القیوم، حیدر آباد۔ "خوشبو" عائشہ ایاز، صادق آباد۔ "امردو" میر عدیل پرویز، آزاد کشمیر. "کیسے کیسے منصوبے" عدیل رضا، ٹلہ گنگ۔ "قسمت کا ستارہ" فرمان علی خان، ملتان۔

ش۔م۔ خالد

یہ رنگ برنگے جوتے یہ مسکراتے گھٹنے

مغربی دُنیا کے بچّے اپنے جسم کو مختلف رنگوں سے رنگتے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ جو تصویریں آپ دیکھ رہے ہیں یہ چند شرارتی بچّوں کی ہیں اِن میں دو بچّوں کو تو ننگے پاؤں رہنے کی عادت ہے

لیکن ممی ڈیڈی کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کیلئے انہوں نے چپل اور جوتے اِس طرح اپنے پیروں پر رنگ لیئے ہیں کہ لگتا ہے انہوں نے چپل اور جوتے پہن رکھے ہیں۔ ایک بچّی نے اپنے گھٹنوں پر چہروں کی تصویریں بنائی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایسی شرارتیں آپ بھی کر سکتے ہیں لیکن ذرا سوچ سمجھ کر، پٹائی ہونے پر ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ ★★

سائنس نیوز فرنٹ
Science Newsfront

ریڈیو کمپیوٹر

اس کمپیوٹر سیٹ کا رابطہ ایک عام ریڈیو سیٹ کی طرح صرف ایک بٹن کے دبانے سے ریڈیو اسٹیشن سے ہو جاتا ہے اور یہ جدید کمپیوٹر وہاں سے خبریں وصول کر کے اسکرین پر پیش کرتا ہے۔

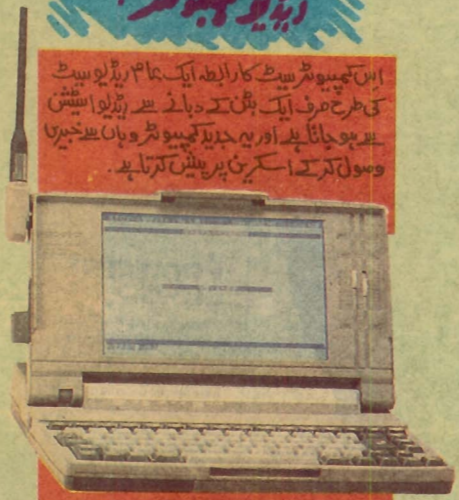

یہ کمپیوٹر خبریں ریکارڈ بھی رکھ سکتا ہے جو بوقت ضرورت آپ کے کام آسکتی ہیں۔ ریڈیو کمپیوٹر کی سہولت فی الحال صرف جاپان میں ہی دستیاب ہے۔

ٹیلی فون لائٹ

یہ ہے ٹیلی فون کے لیے لائٹ جس کا نام "ٹیلائٹ۔۱۱" رکھا گیا ہے۔ یہ جدید لائٹ اس وقت خود بخود جل اٹھتی ہے جب آپ کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے یا پھر آپ کسی کو فون کرنے کیلئے ریسور کو اٹھاتے ہیں۔ لائٹ ریسور واپس رکھنے کے ۳۰ سیکنڈ بعد تک جلتی رہتی ہے اس کا کنکشن ٹیلی فون کے تار سے کیا جاتا ہے اور یہ بیٹری کی مدد سے چلتی ہے۔

انوکھے جوتے

جی ہاں! یہ جوتے بے حد انوکھے ہیں اور خواتین چلنے تیار کیے گئے ہیں ان جوتوں کو زیادہ آرام دہ اور طویل عرصے تک چلنے والا بنایا گیا ہے۔ ان جوتوں کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ان کی تیاری میں کوئی بھی نیا میٹریل استعمال نہیں ہوا بلکہ جوتوں کے تمام حصے مختلف اشیاء کو دوبارہ قابلِ استعمال بنا کر تیار کیے گئے ہیں مثلاً ان کا سول ٹائر ربڑ سے حاصل کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس میں میٹل پلاسٹک اور کپڑا بھی ری سائیکل کر کے استعمال کیا گیا ہے حتیٰ کہ ان کا ڈبہ بھی مختلف بیکار گتے بکسوں کو قابل استعمال بنا کر تیار کیا گیا ہے۔

فاروق حسن چانڈیو

ندامت

گھور اندھیری رات تھی۔ الو صاحب ایک کیکر کے خشک درخت پر سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔ دور کہیں کتے کے رونے کی آواز سن کر الو صاحب کی سوچیں بکھر گئیں۔ انھیں بہت کوفت ہوئی۔ اور جب یہ آواز مسلسل ان کے غور و فکر کو متاثر کرنے لگی تو وہ کتے کے رونے کا سبب معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف چل دیئے۔

کتا ایک درخت کے نیچے بیٹھا زار و قطار رو رہا تھا۔ الو صاحب اس درخت کی ایک شاخ پر بیٹھے کچھ دیر تو اس کے چپ ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن جب وہ روئے ہی چلا گیا تو انہوں نے آواز دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ مگر کتا تو ہر چیز سے بے نیاز رونے میں مگن تھا۔ الو صاحب نے گھور اندھیرے کے باوجود اس کے تیزی سے بہتے ہوئے آنسو دیکھ لئے تھے۔ انہیں کتے پر ترس بھی آرہا تھا اور اس کی بے توجہی پر غصہ بھی۔ انہوں نے ایک بار پھر کتے کو متوجہ کرنے کے لئے آواز دی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تب الو صاحب نے اس پر

ایک نفسیاتی حربہ آزمایا۔ بلند آواز میں بولے۔
"سنا ہے انسانوں نے کتوں کی دُم سیدھی کرنے کا طریقہ سیکھ لیا ہے۔"

اب تو کتے کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ بات ہی ایسی تھی۔ آخر دُم کا معاملہ تھا۔ جس طرح انسان اپنی ناک کٹنے سے خوف زدہ رہتا ہے اسی طرح کتے اپنی دُم سیدھی ہونے سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں اتنے حساس ہوتے ہیں دُم پر بنتی ہے تو بن جائے مگر دُم پر آنچ نہ آئے۔ انسان تو پھر بھی لالچ، رشوت اور بڑے عہدوں کے لئے کبھی کبھی ناک کٹوانے پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ مگر کتے ایسا نہیں کرتے۔

"الو صاحب! ابھی تم نے کونسی منحوس بات کی تھی!؟" کتا ایک دم رونا دھونا بھول کر پُر فکر لہجے میں بولا۔

"بھئی وہ تو تم کو متوجہ کرنے کے لئے مذاق کیا تھا۔ بھلا انسان کو اپنا الو سیدھا کرنے سے ہی کہاں فرصت ہے کہ وہ کتوں کی دُم سیدھی کرے؟ فکر نہیں کرو۔ بس مجھے اپنا دکھ سناؤ۔ تمہارا کوئی گھر وَر نہیں ہے جو یوں جنگل میں بیٹھے رو رہے ہیں؟" الو صاحب نے غیر ضروری تمہید میں وقت ضائع کئے بغیر پوچھا۔

کتے نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "الو صاحب مجھ سے بہت بڑی خطا ہو گئی ہے۔ اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔" وہ کچھ دیر رکا پھر بولا۔
"میرا بھی ایک گھر تھا۔ میرا مالک مجھے بہت چاہتا تھا۔ وہ میری ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ ہر اچھی چیز فراہم کرتا تھا۔ میں بھی اس کا بہت وفادار تھا۔ دن رات گھر کی رکھوالی کرتا تھا۔ اس کا ہر کہا مانتا تھا۔ کتنی بھی چیزیں سامنے پڑی ہوں، ان کو امانت جان کر منہ نہیں لگاتا تھا۔ مگر کل اچانک میری نیت خراب ہو گئی۔ ہوا یوں کہ گھر سے باہر ایک کتے کو مرغی کھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کسی کی زندہ مرغی پکڑ کر لایا تھا اور بڑے مزے لے لے کر تازہ گوشت کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ میرا بھی جی للچایا کہ اس طرح مرغی پکڑ کر کھاؤں۔ مجھے اس کام کے کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ میرے مالک نے کئی مرغیاں پال رکھی تھیں۔ جھپٹ کر ایک کو پکڑا اور باہر دوڑ گیا۔ اسے مزے لے لے کر کھایا۔ پیٹ بھر جانے کے بعد نتیجے پر غور کیا تو ندامت ہی ندامت تھی۔ میں امانت میں خیانت کر چکا تھا۔ بہر حال غلطی تو ہو ہی گئی تھی اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈرتا ڈرتا گھر کی طرف چلا۔ وہاں پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی۔ مالک غصے سے لال ہو رہا تھا۔ موٹا ڈنڈا اٹھا کر میری طرف بڑھا مگر کچھ سوچ کر رک گیا اور کہا "ہیرا گھر سے نکل جاؤ! اب کبھی ادھر نہ آنا۔" وہ مجھے ہیرا کہتا تھا۔ میں وہ حکم سن کر روتا ہوا باہر نکلا۔ ظاہر ہے پہلے ہی بڑی خطا ہو گئی تھی۔ نافرمانی جیسا دوسرا گناہ اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آج دوسری رات ہے یہاں پڑا رو رہا ہوں۔" کتے نے بات مکمل کر کے پھر رونا شروع کیا۔ الو صاحب کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر کہا۔ "خطا تو تم

نے بہت بڑی کی ہے! مگر یہ اچھی بات ہے کہ تم اس پر شرمندہ ہو۔ یہ اچھی علامت ہوتی ہے کہ گناہ پر شرمندگی ہو۔ فخر نہیں ہونا چاہئے۔ کتنے بُرے ہیں وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں.....! ہیرا تم ایسے لوگوں سے اچھے ہو کہ اپنی خطا پر پشیمان تو ہو۔ اٹھو جا کر مالک کے گھر کے آگے گڑگڑاؤ..... انشاء اللہ وہ تمہاری ندامت کو دیکھ کر معاف کر دے گا۔ گڑگڑانے کے لئے سب سے بہتر جگہ مالک کا گھر ہی ہوتا ہے۔ اٹھو..... جاؤ..... شاباش!"

ہیرا کو الو صاحب کی باتیں بہت اچھی اور کھری لگیں۔ اس نے الو صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کر مالک کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہ گھر کے آگے بیٹھ کر رونے اور گڑگڑانے لگا۔

اذان فجر کے بعد ہیرا کا مالک گھر سے نکل کر مسجد جا رہا تھا کہ روتے ہوئے ہیرا پر نظر پڑی۔ اسے روتے اور گڑگڑاتے دیکھ کر مالک کو رحم آگیا۔ تب اس نے بڑے شفیق لہجے میں ہیرا کو مخاطب کیا اور معاف کر کے گھر واپس آنے کی اجازت دے دی۔

ہیرا خوشی سے سرشار اس عزم کے ساتھ واپس اپنے گھر میں داخل ہوا کہ پھر کبھی غلطی نہیں کرے گا۔

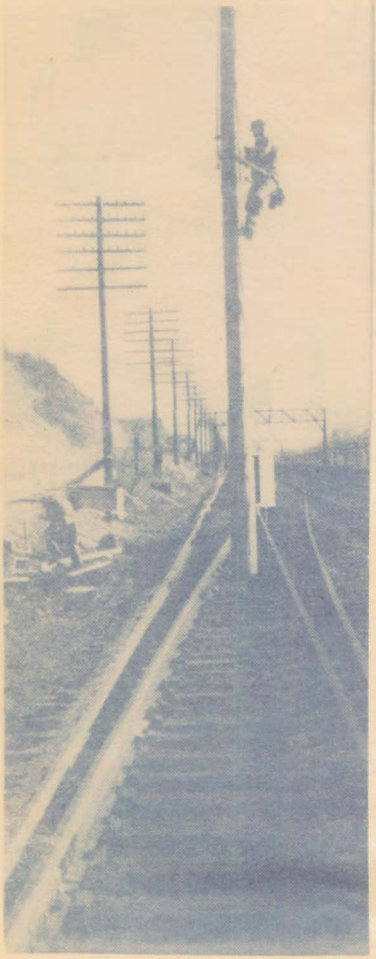

بولو کبھی ایسا ہو تو کیا ہو۔

کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے

محمد جاوید خالد

کہتے ہیں استاد "پڑھو تم
رہتے ہو بس کھیل میں ہی گم
لب پر گانے دِل میں ترنم"
سوچتا ہوں یہ کہہ دوں بڑھ کے
کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے!!!!

علم و ہنر کے پہلے تھے دن
پہلے کے دن اب ناممکن
علم کے چرچے ہیں تو لیکن
ڈگری اس پر آئی چڑھ کے
کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے

ڈگری ہی جب لینا ہے تو
اس کے لئے کیوں زحمت خود کو
پڑھنے بیٹھو رات کو جاگو
اور اٹھو پھر نور کے تڑکے
کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے

اُچھلو کودو، گھومو، کھیلو
فلمیں دیکھو، ڈنٹر پیلو،
نقل کرو اور ڈگری لے لو
ساتھ ہیں سارے شہر کے لڑکے
کیا کرنا ہے مجھ کو پڑھ کے

7 بہنیں 7 بھیڑیے

ایک چینی کہانی

ترجمہ: حسن عسکری فاضلی

کئی سو سال پہلے دوست ملک چین کے گاؤں میں ایک حکیم رہتا تھا جو سوئیوں کے ذریعے لوگوں کا علاج کرتا تھا۔ اس طریقۂ علاج کو چینی زبان میں ایکوپنکچر کہتے ہیں۔ حکیم کا گھر گاؤں کے آخری سرے پر تھا۔ گھر کے بعد دور تک جنگل ہی جنگل تھا، خوب بڑے بڑے گھنے درختوں والا جس میں خونخوار جنگلی جانوروں کا بسیرا تھا۔ حکیم صاحب کی سات بیٹیاں تھیں جو تین اپنی دوسری بہنوں سے بڑی اور سمجھ دار تھیں انکی عمریں یہی کوئی پندرہ سولہ سال کی ہوں گی۔ باقی بہنوں میں دو، دو تین تین سال کی چھوٹ بڑائی ہو گی۔ سبھی بہنیں عقلمند اور ہوشیار تھیں اور اپنے کام ایک دوسرے سے صلاح مشورے کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔

یہ بہنیں آپس میں بڑی اچھی طرح رہتی تھیں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا، ایک دوسرے کا خیال رکھنا انکی عادت تھی۔ ایک دن حکیم صاحب کو کسی دوسرے گاؤں میں ایک مریض کو دیکھنے کے لئے جانا پڑ گیا انہوں نے بیٹیوں سے کہا "لو بھئی میں تو اب جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے تم لوگ گھر کا خیال رکھنا اور غافل نہ رہنا۔ لڑکیوں نے ابا جان سے کہا" آپ اطمینان رکھئے ہم لوگ ہر طرح چوکس رہیں گی ۔ بات یہ تھی کہ گھر

کے قریب جنگل ہونے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی جانور کبھی کبھار اپنے شکار کی تلاش میں گاؤں کی طرف آنکلتا تھا اور گاؤں والوں کو اسکی وجہ سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

حکیم صاحب کو شام تک لوٹ آنا تھا لیکن مریض کی طبیعت زیادہ خراب ہونیکی وجہ سے وہ وہیں رک گئے کیونکہ رات کو جنگل کا راستہ جنگلی جانوروں کی وجہ سے خطرناک ہو جاتا تھا۔ لڑکیوں کی والدہ پہلے ہی اپنے بھائی کے یہاں گئی ہوئی تھیں یوں اب گھر میں یہ لڑکیاں بالکل اکیلی رہ گئی تھیں۔ وہ دن بھر تو گھریلو کاموں میں لگی رہیں مگر رات ہوتے ہی انہیں پریشانی ہونے لگی۔ نہ ماں گھر پر نہ باپ۔ اندھیری رات کا سناٹا اور بتدریج بڑھتی ہوئی سردی۔ رات بڑھتی گئی اور پورے علاقے پر خاموشی نے ڈیرہ ڈال دیا۔ پتا بھی کھڑکتا تھا تو لڑکیوں کا دل دھک سے ہو جاتا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا انہیں ہمت اور حوصلے کے ساتھ یہ رات ماں باپ کی غیر موجودگی میں گزارنا تھی۔

بزدل اور ڈرپوک رہ کر حالات کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہی دونوں باتیں خوف پیدا کرتی ہیں اور خوف عقل کو کھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کی تربیت اچھی تھی انہوں نے حاضر دماغ رہنے کا تہیہ کیا اور فیصلہ کیا وہ ایک دوسرے کی مدد گار رہ کر وقت گزاریں گی۔

ادھر جنگل میں بھی سات بھیڑیئے ایک بھٹ میں دوستوں کی طرح رہتے تھے وہ جہاں جاتے ایک ساتھ جاتے۔ شکار کرتے تو مل بانٹ کر شکار سے لطف اندوز ہوتے۔ ان میں کبھی جھگڑا نہ ہوتا ان کے درمیان ایسی پکی دوستی تھی کہ کوئی دوسرا جانور کبھی ان کا کچھ نہ بگاڑ پایا۔ وہ یوں ہی دندناتے پھرتے تھے کیونکہ ان کے مشاغل ایک تھے اور ان میں بڑا گہرا اتحاد تھا۔

رات آئی تو بھیڑیوں کو بھوک لگنے لگی اور وہ شکار کے بارے میں سوچنے لگے۔ ایک بھیڑیئے نے منہ سے ڈراونی آواز نکالی اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔

بھئی آخر کب تک یونہی بیٹھے رہو گے؟ کیا رات کو بھوکا ہی سونا ہے؟ یا شکار کی بھی کچھ سوچی؟

دوسرا بھیڑیا۔ صبح سے شام ہو گئی اور اب رات کا پہلا پہر گزرنے والا ہے، لگتا ہے آج بھوکا ہی سونا پڑے گا۔ کوئی شکار ہاتھ نہیں لگا۔

تیسرا بھیڑیا۔ بھئی مجھے تو سخت بھوک لگی ہے میں بھوکا نہیں سو سکتا۔

چوتھا بھیڑیا۔ ۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

پانچواں بھیڑیا۔ ۔ پھر کوئی ترکیب سوچو شکار کی۔ صرف باتوں سے تھوڑا ہی کام چلے گا۔

چھٹا بھیڑیا۔ ۔ ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے اس پر عمل کرنے سے سب کو پیٹ بھر لذیذ گوشت کھانے کو ملے گا۔

ساتواں بھیڑیا:۔ بھئی پھر تو جلدی ترکیب بتاؤ۔ سوچ کیا رہے ہو؟

پہلا بھڑیا:۔ ہاں! ہاں جلدی بتاؤ تاکہ اس پر عمل کیا جائے

باقی بھڑیوں نے مختلف آوازیں نکال کر پہلے بھیڑیئے کی تائید کی۔

چھٹا بھیڑیا:۔ جنگل کے قریب جو حکیم رہتا ہے اس کے گھر چل کر اسکی لڑکیوں کو چٹ کر جاتے ہیں وہ پوری سات ہیں ایک ایک حصے میں آئے گی۔

پانچواں بھیڑیا:۔ بیوقوف کہیں کا۔ ارے حکیم ہمیں مار نہیں ڈالے گا۔ اس کا نشانہ کتنا زبردست ہے یاد نہیں اب تک کتنے ہی جانوروں کو مار چکا ہے۔

(چوتھا بھیڑیا:۔ (ہنستے ہوئے) ہاہاہاارے باؤلے حکیم آج گھر پر نہیں ہے۔ میں نے آج دن میں اسے گھر سے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے اور اب تک وہ لوٹا نہیں ہے

تیسرا بھیڑیا:۔ کیا ہوا جو حکیم گھر سے گیا ہوا ہے اسکی بیوی تو موجود ہے وہ کم اچھی تیر انداز نہیں جانتے نہیں کیا؟ کتنا اچھا نشانہ ہے اس کا۔ نہ بابا نہ یہ خطرہ مول لینے والی بات ہے۔

دوسرا بھیڑیا:۔ اکثر عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں اور چکنی چپڑی باتوں میں آجاتی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی جون بدل لیتے ہیں اور آدمیوں کی شکل اختیار کر کے اس کے گھر چلتے ہیں اور خود کو مسافر ظاہر کر کے وہاں ٹھہر جانے کی کوشش کریں گے رات کو وہ جب بے خبر سو رہی ہوگی تو اپنا کام کر کے بھاگ لیں گے۔"

سب بھیڑیئے اس تجویز کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے ایک جنتر منتر پڑھ کر انہیں آدمی بنا دیتا ہے۔"بالکل آدمی لگ رہے ہو ایک نے دوسرے کو چھڑا۔ تم بھی تو مسکین صورت نظر آتے ہو لیکن ہم سب میں سب سے زیادہ مکار اور خونخوار ہو"ادھر سے بھی ترکی بہ ترکی جواب آیا۔

"اچھا اب چلیں۔ زیادہ دیر کرنے سے کام خراب ہو گا"ایک بھیڑیئے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر میں ساتوں بھیڑیئے آدمیوں کا روپ دھار کر حکیم صاحب کے گھر پر پہنچ گئے۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ لڑکیوں نے سمجھا "شائد آبا آگئے" وہ دروازہ کھولنے کے لئے تیزی سے اٹھیں بڑی بہن نے ڈانٹ کر کہا.

پہلے پوچھ تو لو! اتنی رات گئے کون آگیا۔ بلا سوچے سمجھے یوں دروازہ کھولنا ٹھیک نہیں ہے۔

ایک لڑکی. کون ہے؟

بڑا بھیڑیا: بیٹی ہم مسافر ہیں۔ راستہ بھٹک گئے ہیں تمہیں معلوم ہے چاروں طرف گھپ اندھیرا ہے اور سردی بھی کافی ہے ہمیں رات گزارنے دو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔

بڑی لڑکی: مگر ہمارے ابا ماں گھر پر نہیں ہیں تم لوگوں کو کس طرح گھر پر بلائیں۔ کیا پتہ تم کیسے لوگ ہو اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو۔

دوسرا بھیڑیا: نہیں بیٹی۔ ہم شریف لوگ ہیں۔ صبح ہوتے ہی چلے جائیں گے۔ بھلا کوئی اپنے میزبان اور محسن کو بھی کوئی نقصان پہنچاتا ہے یہ تو کمینے اور ذلیل لوگوں کا کام ہے ہم تو بہت نیک لوگ ہیں۔

لڑکی: اچھا تم ذرا ٹھہرو میں اپنی بہنوں سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔

بہنوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا ان میں سے جو سب سے زیادہ رحم دل تھی بولی: اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں بیچارے مصیبت میں ہیں بُرے وقت میں ایک دوسرے کے کام آنا کوئی بُری بات نہیں۔ بڑی لڑکی نے کہا وہ تو ٹھیک ہے بُرا وقت کسی پر بھی پڑ سکتا ہے لیکن نیکی بھی تو سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔

دوسری لڑکی: بدگمانی اچھی چیز نہیں ان کو اندر بلا لیتے ہیں جو ہو گا دیکھا جائیگا

باہمی مشورے کا بعد لڑکی ان مسافروں کی اندر بلا لیتی ہے وہ ایک ایک کر کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

لڑکی: آپ لوگ آرام سے ڈائننگ ٹیبل (کھانے کی میز) پر آجائیں تاکہ آپکو کچھ کھانا دیدیں یقیناً آپ لوگوں کو بھوک لگی ہو گی۔

بھڑیئے: شکریہ شکریہ۔ پہلے اگر گرم گرم قہوہ مل جائے تو کچھ جان میں جان آئے باہر تو کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے اور سردی سے ہماری ہڈیاں تک سن ہو گئی ہیں

لڑکی: کیوں نہیں کیوں نہیں ابھی حاضر کرتی ہوں۔ قہوہ چولہے پر چڑھا ہوا ہے۔

لڑکی مسافروں کی کیتلی سے پیالوں میں قہوہ انڈیل کر دیتی ہے اور باقی لڑکیاں مسافروں کو دیکھتی رہتی ہیں۔ مسافر قہوہ کے مزے لیتے ہوئے ایک دوسرے کو فتح مندی کیساتھ دیکھتے ہیں۔

اچانک ایک بہن ایک مسافر کے سر کے بال دیکھ کر چونکتی ہے اور اپنی بہن کو بتاتی ہے۔

لڑکی: باجی! ذرا غور سے ان لوگوں کے سروں کو تو دیکھئے ان پر جانوروں کی طرح کے بال ہیں۔ انسانوں کے بالوں سے بالکل مختلف۔

دوسری لڑکی: خوف اور حیرت سے اسکی تصدیق کرتی ہے۔ "ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ عجیب بال ہیں۔"

تیسری لڑکی: صرف بال ہی عجیب نہیں باجی ان کے پیروں کو بھی دیکھئے یہ تو صاف جانور کے سے پنجے ہیں۔

چوتھی بہن: گھبراتے ہوئے۔ ارے یہ کیا ہوا۔ غلطی ہو گئی یقیناً بھڑیئے انسان کے روپ میں آگئے۔

پانچویں بہن: غضب ہی ہو گیا۔ مگر اب کیسے اس صورت حال سے نمٹا جائے۔

چھٹی بہن: اب ڈرنے اور گھبرانے کا وقت نہیں ان سے جان چھڑانے کی تدبیر سوچو۔ لڑکیاں سب کچھ سمجھ گئی تھیں۔ ادھر بھڑیئے بھی بھانپ گئے تھے کہ ان کا پردہ چاک ہو گیا ہے اور لڑکیوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ دراصل بھیڑیئے ہیں لہٰذا بھیڑیئے نے گرجدار آواز میں کہا،

بھڑیا: ارے کیا کھسر پھسر کر رہی ہو ادھر آؤ اور اب ہمیں کچھ کھانے کو بھی دو۔

دوسرا بھڑیا: بدتمیزی سے بولا۔ ہاں ہاں ذرا بڑی بڑی بوٹیاں نکال کر لاؤ۔ تمہارے ابا اماں تو اب کیا آئیں گے لاؤ ہم ہی سارا گوشت کھا ڈالیں۔

لڑکیاں: آپس میں چپکے چپکے بات کرتی ہیں ایک کہتی ہے ارے یہ تو غنڈہ گردی پر اتر آئے ہیں ہمیں اکیلا سمجھ کر۔

دوسری لڑکی سرگوشی کرتی ہے: ایک ترکیب ہے۔ ہم لوگ کسی بہانے سے ایک ایک کر کے اوپر چلے جاتے ہیں اور ایک ایک کو اوپر بلا کر انکا کام تمام کر دیتے ہیں۔ بڑی لڑکی نے کہا نہیں ایسا کرتے ہیں کہ ہم تین بہنیں نیچے چھپ جاتی ہیں اور آپ تین بڑی اوپر چلی جائیں چھوٹی بہن کہتی ہے: ہاں یہ ٹھیک ہے مگر ان لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ ہم انہیں سمجھ گئے ہیں۔

بھیڑیوں سے نجات کے منصوبے پر عمل شروع ہوتا ہے۔

بڑی لڑکی: آواز دیتی ہے۔ چھوٹی بہن ذرا اوپر کے کمرے سے گھی تو لے آؤ وہ مزید کہتی ہے ننھی منی لڑکیو تم کیا کر رہی ہو جاؤ اوپر کے کمرے سے گھی لانے میں چھوٹی بہن کی مدد کرو اس طرح تین لڑکیاں اوپر چلی جاتی ہیں۔

تین بھیڑیئے ایک ساتھ بے صبری کے لہجے میں کہتے ہیں۔

بھیڑیئے۔ ارے کیا یونہی ٹرخاتی رہو گی۔ جلدی سے گوشت لاؤ۔ بڑی بھوک لگی ہے۔ اب ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ جلدی کرو۔ ورنہ ہم خود ہی گوشت کھالیں گے۔

نیچے والی لڑکی: ہاں ہاں میں خود اوپر جاتی ہوں اور دیکھتی ہوں کیا بات ہے دیر کیوں ہو رہی ہے۔

سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آتی ہے اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے۔

بھیڑیئے: بھئی بڑی مشکل ہے یہ لڑکیاں تو کچھ کھانے کو دے ہی نہیں رہی ہیں اتنے میں اوپر سے بڑی لڑکی کی آواز آتی ہے اور وہ نیچے رہ جانے والی دو لڑکیوں سے کہتی ہے۔

بڑی لڑکی: اری ذرا اوپر تو آنا گھی کا مٹکا بھاری ہے ذرا نیچے لانے میں مدد دو اس طرح ساری لڑکیاں اوپر پہنچ جاتی ہیں۔

ارے یہ تو سب کی سب غائب ہو گئیں نہ گوشت ملا اور اب ان کو کھانا بھی آسان نہیں اگر ہم اوپر جائیں بھی تو وہ دروازے بند کر کے بیٹھ جائیں گی۔ ان کو ہم لوگوں پر شک ہو گیا ہے۔

سمجھدار بھیڑیا: میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں کیا بات ہے اب کیا کرنا چاہیئے تاکہ خاموشی اور ترکیب سے شکار لگے کیونکہ شور مچایا اور ھلڑ بازی کی تو محلے کے لوگ لاٹھیاں لے کر آجائیں گے اور بچ نکلنا دشوار ہو گا۔

بھیڑیئے: ہاں یہ بات ٹھیک ہے تم اوپر جاؤ۔

بھیڑیا: ارے لڑکی اگر گھی کا مٹکا اتنا ہی بھاری ہے تو میں تمہاری مدد کے لئے آتا ہوں۔

لڑکی: ہاں ہاں تم میں سے ایک اوپر آجائے تاکہ کام جلدی ہو جائے۔ لڑکی نے اوپر سے للکار کر کہا

بھیڑیئے: تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔ اب تم اوپر جاؤ اور دروازہ کھلا رکھنے کی ترکیب کرو پھر ہم آجائیں گے

بھیڑیا: مگر تم لوگ جلدی مت مچانا ورنہ کام خراب ہو جائے گا اور لڑکیاں واقعی دروازہ بند کر لیں گی۔

بھیڑیئے: ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور اپنا کام کرو (اوپر جانے کی آواز آتی ہے اور دروازہ چرچراتا ہے۔ لڑکیاں منصوبے کے مطابق پہلے ہی ڈنڈے سنبھال کر بیٹھی ہوئی تھیں جونہی بھیڑیئے نے دروازے کے اندر قدم رکھا دروازے کی آڑ سے سر پر زور دار ڈنڈا پڑا۔ بھیڑیئے کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی اور وہ اصلی شکل میں زمین پر آرہا کیونکہ ڈنڈا پڑتے ہی جنتر منتر غائب ہو گیا اور وہ زمین پر پڑا خر خر کرنے لگا۔

چھ نیچے رہ جانے والے بھیڑیئے سمجھے کم بخت نے اکیلے اکیلے ہی شکار پر ہاتھ صاف کر دیا ہے اور چاہتا ہے ہمیں اندھیرے میں رکھ کر خود اپنا پیٹ بھر لے ہم یہاں بھوکے بیٹھے ہیں اور یہ عیش کر رہا ہے۔ ہم میں سے کسی نہ کسی کو اوپر جا کر دیکھنا چاہیئے۔

اس طرح ایک اور بھیڑیا اوپر جاتا ہے اور اس کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ نیچے والے بھیڑیئے اپنے اس ساتھی کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان میں سے ایک اور اوپر جاتا ہے اور لوٹ کر نہیں آتا۔

نیچے والے بھیڑیئے: ارے یہ کم بخت تو اوپر جا کر مر رہے۔ ان کو ہماری کوئی فکر نہیں۔ بڑے مطلبی نکلے یہ تو، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بھیڑیوں نے تشویش ظاہر کی۔ باقی بھیڑیئے جانے کی

سوچ ہی رہے تھے کہ باہر دستک ہوئی اور کسی پڑوسی نے باہر سے پوچھا:

"ارے کیا حکیم صاحب گھر پر ہیں؟

بھیڑیئے: ارے یہ بلائے ناگہانی کہاں سے آگئی۔ وہ گھبرائے۔ دوسرے بھیڑیئے نے کہا گھبراؤ نہیں کہہ دو حکیم صاحب گھر پر نہیں ہیں اور میں اوپر جاتا ہوں۔

بھیڑیئے: حکیم صاحب گھر پر نہیں ہیں اس نے دستک دینے والے کو جواب دیا۔

پڑوسی: تو پھر لڑکیوں میں کسی کو باہر بھیج دو یہ سامان لے جائے۔

بھیڑیئے: اب کیا ہو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ ایک کہتا ہے بڑی لڑکی کو آواز دو ایک بھیڑیا: ارے لڑکی نیچے کوئی آیا ہے اپنا سامان لے لو۔ مگر اوپر سے کوئی آواز نہیں آتی۔

ایک بھیڑیا باہر نکل کر کہتا ہے۔ لڑکیاں سو گئی ہیں سامان دیدو میں حکیم صاحب کا مہمان ہوں اور پڑوسی سامان دے کر چلا جاتا ہے۔

بھیڑیئے۔ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ پڑوسی تو چلا گیا۔ بلا ٹلی مگر لکڑی کے ان ڈبوں کا ہم کیا کریں جو پڑوسی دے کر گیا ہے انہیں پھینکو مجھے سخت بھوک لگی ہے اور ہمارے ساتھی کم بخت اوپر گوشت کے مزے لوٹ رہے ہیں بھیڑیا بڑبڑایا۔ اس نے ایک اور کو اوپر بھیجا اور اس طرح جب وہ اکیلا رہ گیا تو غرایا اور چیخ کر بولا میں اوپر آرہا ہوں یہ سب کہاں مر گئے؟

بڑی لڑکی۔ اوپر سے بڑی لڑکی کی آواز آئی تم بھی اوپر ہی آجاؤ اور جب غصے میں سر ٹپکتا ہوا یہ موٹا تازہ بھیڑیا دروازے میں داخل ہوا تو ساتوں بہنیں ڈنڈے لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں اور تھوڑی ہی دیر میں کام تمام کر دیا۔

اس کارروائی میں آدھی رات بیت گئی لڑکیاں ساتوں بھیڑیوں کو لاشیں گھسیٹتی ہوئی نیچے لائیں بھیڑیوں کو مار کر ان میں بہادری کا ایسا اعتماد پیدا ہو چکا تھا کہ وہ خوشی کے مارے باقی رات جاگتی رہیں اور جب صبح سویرے حکیم صاحب گھر لوٹے تو انہیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ ان کی لڑکیوں نے ساتوں بھیڑیوں کا صفایا کر دیا تھا جن کے ظلم سے پورے گاؤں کے لوگ تنگ تھے مگر ان بھیڑیوں کے گٹھ جوڑ کے سامنے ان کے خلاف کوئی کارروائی مؤثر نہیں ہوتی تھی اور وہ یونہی ایک عرصے سے دندناتے پھرتے تھے۔

دُودھ کی بدولت

ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال

روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت

کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"

ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دُودھ کو مکمل غذا اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔

اللہ میاں نے دُودھ میں کیلشیم، پروٹین وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن مقدار میں شامل کر دیے ہیں۔ یہی وہ اجزا ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہیں۔

اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دُودھ پینا اپنی عادت بنالیا تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پالیا۔

دانائی کی بات سنو

دُودھ پیو — مضبوط بنو

اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی۔ کراچی

MASS

بنام آنکھ مچولی

محمد عظیم قریشی، اسلام آباد۔ جون کا سرورق اپنی روایات سے بالکل مختلف تھا۔ "ماہ رواں کی پہلی بات" "سنہرے حروف" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ" اور "ہم ۷۸۶ کیوں لکھتے ہیں" دل پر اثر کر رہے تھے۔ "آنٹی بخیل" "سکندر اعظم" "چاند کا سفر" اور "ایف سولہ" زبردست تحریریں تھیں۔ قلم دوست میں "تین مدد گار بہترین رہی۔ شکیل، نور، سعید، لاہور۔ جون کا شمارہ بہت ہی خوبصورت، مفید اور دلچسپ تھا۔ "مجھے آزاد کرو" "بادشاہ" "بغاوت" اور "بہادر سپاہی" بے حد پسند آئیں۔ عمران احمد خان، کراچی۔ آنکھ مچولی میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ اس بار "ایسی دعا مانگیں" اور "مزا آجائے" جیسی نظمیں پسند آئیں۔ کہانیوں میں "آنسو" "بادشاہ" "محبت کی پری" "بغاوت" اور "بچے" اچھی لگیں۔ عامر سہیل کا انٹرویو پسند آیا۔ محمد عمر قریشی، اسلام آباد۔ جون کے شمارے میں عمر احمد خان کے سلسلے وار کہانی۔ "وہ کیا راز تھا" نمبر لے گئی۔ کیا آپ کوئی اور سلسلے وار ناول شروع نہیں کریں گے؟ ○ ..... پہلے اس ناول کو ختم ہو لینے دیجئے۔ فاطمہ تراب علی، حیدر آباد۔ جون کا سرورق اچھا تھا۔ "بغاوت" بہترین تھی۔ عامر سہیل اور ہاک ہاگن سے ملاقات اچھی لگی جب کہ "وہ کیا راز تھا" کی قسط خوف اور تجسس سے بھرپور تھی۔ خاص نمبر کا اعلان پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ۔ برکت علی روکی، سانگھڑ۔ نیا انعامی سلسلہ "آمنے سامنے" شروع کر کے آپ نے ہم قارئین کے دل جیت لئے ہیں۔ فیصل احمد، عدیل احمد (؟) "مجھے آزاد کر دو" "ایک تھے منے میاں" "محبت کی پری" اور "بہادر سپاہی" جیسی تحریریں بے حد پسند آئیں۔ محمد یونس حسین، کراچی۔ آپ خط کی آدھی لائن شائع کر کے

ایک خط ایک مسئلہ

محترم مدیر آنکھ مچولی

سلام کے بعد میں آپ کی توجہ ایک اہم اور نہایت پیچیدہ اور سنگین مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ مسئلہ ہے اسکول میں مار پیٹ کر پڑھانے کا۔ ہمارے اسکول میں بہت زیادہ مار پیٹ کی جاتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جس سے بچہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ دیہات کے اسکولوں میں پیار محبت سے پڑھانے کے بجائے مار پیٹ سے پڑھایا جاتا ہے پھر اسکولوں کا معائنہ بھی نہیں ہوتا۔ زیادہ تر بچے مار کے خوف سے پڑھ ہی نہیں پاتے۔ کیا ارباب تعلیم اس طرف توجہ دیں گے؟؟

ایک طالب علم (جہلم)

ٹرخا دیتے ہیں اور وہ بھی تعریفی..... اگر آپ کو تنقیدی باتیں اچھی نہیں لگتیں تو آئندہ ہم بالکل نہیں لکھیں گے!! ○ جتنی تنقید رسالے پر موصول ہوتی ہے شائع کر دی جاتی ہے۔ یقین نہ آئے پچھلے شمارے دیکھ لیجئے۔ لیاقت علی پروانہ، کراچی۔ جون کے شمارے میں تمام کہانیاں، مضامین اور نظمیں پسند آئے۔ محمد عاطف، راولپنڈی۔ میں حال ہی میں سعودی عرب سے آیا ہوں آنکھ مچولی مجھے اتنا پسند آیا کہ اس کا سالانہ خریدار بن بیٹھا۔ آج مجھے اس سلسلے کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ امید ہے میرے اس پہلے خط کو ضرور شائع کریں گے محمد عامر ذکریا، کراچی۔ آنکھ مچولی کے پچھلے شمارے میں اس بات کو راز قرار دیا گیا تھا کہ خطوں کے جوابات کون دیتا ہے مگر جہاں تک مجھے اندازہ ہے جوابات مدیر اعزازی ہی دیتے ہیں!! عثمان عدیل، رام شبیر، جہلم کینٹ۔ اس بار تمام کہانیاں پسند آئیں۔ عامر خالق، عامر خالق، ایبٹ آباد۔ سرورق ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس دفعہ کی تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ عبدالقادر صاحب کی نظم "مزا آجائے" پڑھ کر مزا ہی آگیا۔ "وہ کیا راز تھا" اپنے کلائمکس پہ جا رہی ہے۔ ہر قسط اگلی قسط کے تجسس کو بڑھاتے ہوئے ختم ہو جاتی ہے۔ نیا سلسلہ "آمنے سامنے" بے حد پسند آیا۔ عامر شہزاد، سنگھوئی۔ تازہ شمارہ پڑھ کر دل بے حد خوش ہوا۔ خاص نمبر کی آمد کا پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی اب اس کا انتظار رہے گا!! پرنس عرفان، پنڈی گھیب۔ جون کا آنکھ مچولی نہایت خوبصورت تھا۔ نئے انعامی سلسلے پسند آئے۔ رحمت اللہ بشیر گجرات۔ جون کا شمارہ پہلی تاریخ کو ہی مل گیا دیکھا تو جی خوش ہو گیا۔ افضال احمد خان، کراچی۔ شمارہ اس بار جلد ہی مل گیا۔ "وہ کیا راز تھا" کی چھٹی قسط اور "سکندر اعظم" پر معلوماتی مضمون بے حد پسند آیا۔ نیا انعامی سلسلہ بھی اچھا ہے۔"

فرحین طاہر شمسی (؟) تازہ شمارے میں نئے شریر بلی کا مقدمہ اور "آمنے سامنے" اچھے لگے۔ بنام آنکھ مچولی میں اپنا خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ "وہ کیا راز تھا" کا سلسلہ بہت سست ہے..... ذرا تیز ٹیمپو ہونا چاہئے۔ ○ ..... اتنے ہولناک واقعات پیش آرہے ہیں حیرت ہے پھر بھی آپ کو ٹیمپو کیوں سست محسوس ہو رہا ہے۔

تسنیم سلطان، کراچی۔ سنہرے حروف کی اثر انگریزی تو ہمارے دل پر نقش ہو گئی۔ کہانیوں میں "آنسو" اول رہی۔ سرورق دل کو بے حد بھایا۔ عبدالوہاب، رحیم یار خان۔ آپ کا رسالہ کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں مگر اس میں حصہ لینے کی پہلی اور آخری کوشش کر رہا ہوں۔ ○ ..... آخری کیوں؟ کیا یہ خط لکھ کر آپ نے قلم توڑ دیا ہے۔

محمد اسماعیل، کوئٹہ۔ میں اور میرے بہن بھائی آنکھ مچولی شوق سے پڑھتے ہیں۔ ہم نے ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی ہے

جس میں آنکھ مچولی کو بھی رکھا ہے۔ شوکت علی، پنجگور۔ پہلی بار آنکھ مچولی پڑھا۔ بے حد مزا آیا۔ نثار احمد، ہاشمی، کراچی۔ یوں تو یہ تجویز آنکھ مچولی میں اکثر بچے بھیجتے رہتے ہیں میں بھی آپ کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ آنکھ مچولی میں لکھنے والوں کی تصاویر شائع کی جائیں ○ ..... بھئی ادیب کا اصل تعارف اس کی تحریر ہوتی ہے تصویر نہیں۔ عبدالمالک، کوئٹہ۔ آنکھ مچولی کا سالانہ خریدار بننے کا طریقہ بتا دیجئے.....!! ○ ..... اس شمارے میں سالانہ خریداری کا اشتہار پڑھ لیجئے وقار الدین (؟) میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے جون کے شمارے میں پسندیدہ کرکٹر عامر سہیل کا انٹرویو شائع کیا۔ میر عدیل پرویز، آزاد کشمیر۔ جون کا شمارہ جلد مل گیا۔ لطائف مزے دار تھے۔ نیا سلسلہ "آمنے سامنے" شروع کر کے آپ نے اچھا کام کیا ہے۔ ایم اے قریشی، اسلام آباد۔ جون کا شمارہ حیرت انگیز طور پر ۲ تاریخ کو ہی بک اسٹال پر مل گیا۔ اس بار ے رسالے میں "بلا عنوان" کی کمی محسوس ہوئی۔ اسامہ عظیم زیدی (؟) آنکھ مچولی کے اندرونی صفحات کا معیار ابتدائی سالوں میں بہت اچھا ہوا کرتا تھا جب کہ سرورق بھی خاصا دل کش اور منفرد ہوا کرتا تھا بہر حال سرورق پر توجہ دی جا رہی ہے۔ ماہ مئی کے آنکھ مچولی میں "ڈریکولا سے ملاقات" ایک بے سروپا اور گھسا پٹا سا مضمون یا کہانی یا انٹرویو تھا۔ محمد آصف جاوید خان، تونسہ شریف۔ "وہ کیا راز تھا" اگر بند کر دیں تو بہتر ہے۔ خطوں کے صفحات بڑھا دیجئے اور ہو سکے تو سب سے بہترین تبصرہ لکھنے والے کو انعام دیجئے!! ○ ..... وہ کیا راز تھا۔ ساتھیوں میں مقبول ہے۔ آخر کار اسے ختم تو ہونا ہی ہے۔ فرزانہ تبسم (؟) پہلی بار خط لکھ رہی ہوں امید ہے شائع کریں گے۔ وقاص مجید مہ پارہ، مجید لاہور۔ ہم آنکھ مچولی تین سال سے پڑھ رہے ہیں مگر خط پہلی بار لکھ رہے ہیں پلیز! شائع کر دیجئے۔ عاصمہ حنا، کراچی مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے کیا میں کہانی لکھ کر بھیج سکتی ہوں؟ ○ ..... نیکی اور پوچھ پوچھ۔ عنبرین سلطانہ، ربوہ۔ وہ کیا راز تھا" کی پانچویں قسط میں یہ پڑھ کر سخت حیرت ہوئی کہ جب مکڑیوں نے ملازم کے سر کو دھڑ سے الگ کر دیا تو وہ کیسے چیخ رہا تھا؟ ○ ..... بھئی! اس کا سر جسم سے بالکل الگ نہیں ہوا تھا۔ عروبہ یونس، اسلام آباد۔ پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ ماجد لطیف، لاہور کینٹ۔ عبدالقادر صاحب نظمیں بہت اچھی لکھتے ہیں ..... ویسے انکل! کہیں یہ کرکٹ والے عبدالقادر صاحب تو نہیں؟ ○ ..... بھئی! ہمارے عبدالقادر صاحب اپنی نظموں میں چھکے اور چوکے لگاتے ہیں۔ فرزانہ واحد بخش، سکھر۔ آپ میری تحریریں نہیں چھاپتے۔ آخر کیوں؟ ○ ..... آپ اچھی تحریریں نہیں بھیجتیں ..... آخر کیوں؟ غلام نبی شادان، پنجگور۔ آنکھ مچولی بہت خوب رسالہ ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ اس کی تعریف کر سکوں .....!! مہر اعجاز، لاہور۔ گاؤں کے اسکولوں میں طلباء پر اساتذہ زیادہ محنت نہیں کرتے جب کہ شہری علاقوں میں طلباء پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ میری اساتذہ سے درخواست ہے کہ وہ تمام طلباء پر مساوی توجہ دیں .....!! پرنس افضل شاہین، بہاول نگر۔ آپ نے میری تحریریں شائع کیں ..... بے حد شکریہ! سید محمد رضا جعفری، کراچی۔ یہ میرا پہلا خط ہے پلیز ..... رسالے کی زینت بنا لیجئے۔ وکیل احمد خان (؟) آنکھ مچولی میں رنگا رنگ تصویریں، اخلاقی مضامین، مزے دار کہانیاں اور ہنسانے والے لطائف ہوتے ہیں جو مجھے پسند ہیں۔ سید عدیل رضا عابدی، جہلم۔ ہمارے دیہات کے اسکولوں کے طالب علم آدھی چھٹی میں گھر چلے جاتے ہیں وڈیو سینٹر میں بیٹھ کر فلمیں دیکھتے ہیں ..... در حقیقت وہ اپنے مستقبل کو تباہ کر رہے ہیں کون انہیں سمجھائے کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا .....!! محمد اشرف سومنگھرہ، کراچی۔ آپ ہنستے ہنستے میں قولیوں کو لطائف کی صورت میں پیش نہ کیا کریں!! شنکر دادا نجے کمار، کوئٹہ۔ اس ماہ کی تمام کہانیاں اور لطائف بے حد پسند آئے۔ ابوذر معاویہ، میلسی۔ اپریل میں

میری تحریر "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" قلم دوست میں شائع ہوئی لیکن اس پر میرا نام نہیں تھا۔ ○ ...... بھئی آپ کا نام غلطی سے نہ جا سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ **محمد امیر خان، فیصل آباد۔** نیا شمارہ پڑھا۔ بہت پسند آیا، تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ **عدنان، آصف، حیدر آباد۔** پہلی دفعہ خط لکھ رہے ہیں۔ امید ہے ضرور شائع کریں گے۔ **وردہ جاوید، لاہور۔** آپ نے میرا نام "مزید محنت کی ضرورت ہے" میں تو چھاپ دیا لیکن میرا خط نہیں چھاپا اگر میرا یہ خط نہیں چھپا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ **جواد احمد ملک، جیکب آباد۔** اس دفعہ کارٹون بہت اچھے تھے۔ **آفتاب احمد شاہ، حیدر آباد۔** میری عمر پانچ سال تھی تو اس وقت سے میں آنکھ مچولی پڑھ رہا ہوں ○ ...... پھر تو آنکھ مچولی آپ کا بڑا پرانا ساتھی ہوا نا!!! **عرفان اسلم، اسلام آباد۔** جب سے آنکھ مچولی پڑھا ہے میں اسی کا ہو کر رہ گیا ہوں ...... !! ○ ...... آنکھ مچولی بھی تو آپ ہی کا ہے۔ **محمد منصور مغل اشرفی، حیدر آباد۔** اس مرتبہ کا رسالہ کچھ خاص نہ تھا البتہ سرورق پسند آیا۔ **عالیہ صلاح الدین، کراچی۔** اپنی کہانی "دوستی" آنکھ مچولی میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ایڈیٹر صاحب آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری تحریر کو رسالے میں جگہ دی۔ ○ .... بھئی شکریہ تو ہمیں ادا کرنا چاہئے کہ آپ نے اتنی اچھی تحریر بھیجی۔ **نعمان ایوب، آصف ہارون، آزاد کشمیر۔** آنکھ مچولی معیاری رسالہ ہے۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے!! **شاہد علی، خیرپور میرس۔** انکل! میں کچھ معلوماتی انٹرویو آنکھ مچولی کو بھیجنا چاہتا ہوں ...... !! ○ ...... تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟ **محمد یٰسین انجم، خانیوال۔** آپ کا ماہنامہ آنکھ مچولی پڑھا، بے حد خوشی ہوئی۔ میری نظمیں چھپ جائیں گی ناں؟ ○ ...... بھائی! یہ نظمیں تو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب کی ہیں ...... آپ نے اپنی کیسے بنالیں؟؟

عبدالرؤف، علی رشید ملتان شہر۔ پچھلا شمارہ بہت پسند آیا۔ مضامین بہت اچھے تھے۔ "بچاؤ" کی پندرہویں قسط بہت پسند آئی۔ **روح اللہ سعدی، کراچی۔** پچھلی بار بلاعنوان کہانی کا عنوان میں نے تجویز کیا تھا لیکن اس کا نتیجہ رسالے میں نظر نہیں آیا۔ براہ کرم وجہ بتائیں ...... !! ○ ...... بھائی! جگہ کی کمی کی وجہ سے نتائج شامل نہ ہو سکے۔ **عائشہ صدف، سیالکوٹ کینٹ۔** انکل! پہلی بار خط لکھ رہی ہوں ...... پلیز! ردی کی ٹوکری کا لقمہ نہ بنائیے گا۔ اپریل کا شمارہ پسند آیا۔ **محمد اسحاق وردگ، پشاور شہر۔** بسوں اور مزداؤں میں بے ہودہ اور غیر اخلاقی گانے زور و شور سے بجائے جاتے ہیں میری محکمہ ٹریفک کے ذمہ داران سے درخواست ہے کہ وہ تمام بسوں ویگنوں میں ٹیپ ریکارڈر پر پابندی لگائیں اور جرمانہ کریں تاکہ طالبات اور خواتین کو سفر کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہو۔ **نوشاد ارمان، کراچی۔** آپ آنکھ مچولی کا خوفناک نمبر کب نکالیں گے؟ ○ ...... بھئی آپ لوگ ڈرتے تو ہیں نہیں .... فائدہ کیا ہے؟ **عثمان محفوظ، پشاور۔** یہ میرا پہلا خط ہے اگر آپ نے نہیں چھاپا تو آئندہ نہیں لکھوں گا۔ **فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔** تمام کہانیاں اچھی لگیں ...... "وہ کیا راز تھا" کے اختتام کا انتظار ہے تاکہ راز، راز نہ رہے ...... !! ○ ...... ابھی آپ کو اس راز کے کھلنے کا مزید انتظار کرنا ہوگا۔ **محمد رضا چنگیزی، کوئٹہ۔** آنکھ مچولی دن بدن پتلا ہوتا جا رہا ہے۔ کہانیوں میں کوئی مزا نہیں ...... لطائف الگ بور ...... آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ تنقید سے ڈرتے ہیں ...... !! **محمد اکبر اویس، راولپنڈی۔** حکومت کار جمپنگ اور موٹر سائیکل جمپنگ پر پابندی عائد کیوں نہیں کرتی ...... کچھ عرصہ پہلے سلطان گولڈن کار جمپ مظاہرے کے دوران زخمی ہو گئے تھے اور ابھی حال ہی میں نوجوان کامران سعید اس جان لیوا کھیل میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ...... !! **محمد اسماعیل سرسانہ، ملتان۔** اس بار سرورق بہت شاندار تھا، "وہ کیا راز تھا" بے حد پسند آئی۔

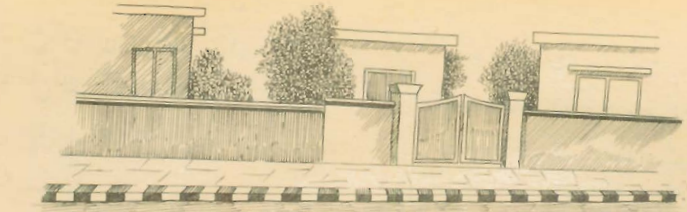

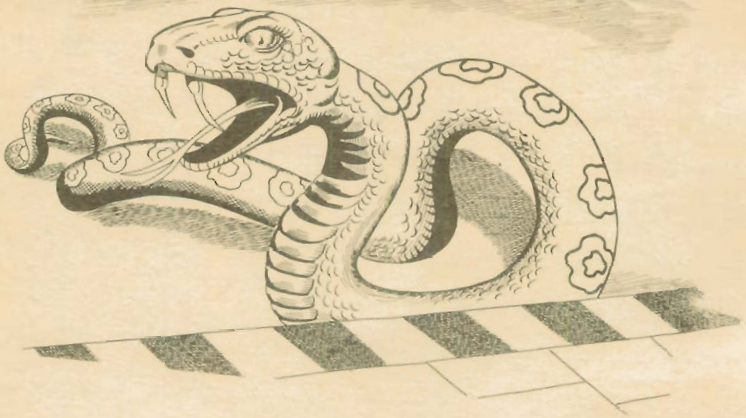

ایک سانپ کی زندگی میں ایک دن

ترجمہ: سید عدنان یوسف

اُف توبہ اس بار تو بال بال بچا! اگر دیوار میں وہ چھوٹا سا سوراخ میرا منتظر نہ ہوتا تو میں ابھی بالکل ایک دیوار کی کیل کی طرح یہاں مُردہ پڑا ہوتا۔

اوہ معاف کیجئے گا۔ اس سارے ہنگامے میں میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں کون ہوں۔ میں ایک ساحلی سانپ ہوں۔ آپ کیا سمجھے ..... کوبرے جیسا .....؟ نہیں جی میں تو ایک عام چوہے کھانے والا سانپ ہوں۔ تقریباً پانچ فٹ لمبا اور میرے خیال میں بڑا ہی خوب صورت ہوں۔

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج کا دن میرے لئے اتنا خطرناک گزرے گا تو میں سارا دن ہی اپنے سوراخ میں پڑا رہتا۔ مگر یہ میرا پیٹ ہے نا! اس کی

وجہ سے مجھے کچھ باہر نکلنے کا سوچنا ہی پڑا۔ چنانچہ میں باہر باغ یعنی لان میں نکلا۔ صبح کی تازہ ہوا میں جینے کا اصل لُطف آتا ہے۔ لان میں لگے نل سے ڈھیر سارا پانی پیا۔ پھر اِدھر اُدھر کچھ کھانے کے لئے تلاش کرنے لگے۔ میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں ایک بنگلے کے وسیع و عریض لان میں رہتا ہوں۔ اس بنگلے میں چار بڑے افراد اور چار چھوٹے بچے رہتے ہیں جو ہمیشہ سوراخوں میں ڈنڈیاں اور سلاخیں گھسیڑتے رہتے ہیں۔ اب دیکھئے یہ جگہ شہر کے نواحی علاقے میں ہے۔ زیادہ تر سوراخوں میں میرے ساتھی رہتے ہیں اور یقیناً انہیں شرارتی بچّوں کا یوں تنگ کرنا اچھا نہیں لگتا ہے اور جناب پھر اگر کبھی ہمیں غصّہ آگیا تو؟؟ اردگرد بھاگتے ہوئے یہ شیطان بچّے اتنا شور مچاتے ہیں کہ بس میں ہر وقت ان سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ ان کے کچن کی کھڑکی کے نیچے اتنا کُوڑا کرکٹ رہتا ہے جس میں ہر وقت میری من پسند غذا یعنی کیڑے مکوڑے موجود رہتے ہیں۔ گٹر کی نالیوں میں وہی میری روائتی غذا یعنی چوہے، مینڈک اور چھپکلیاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔

سُورج اچھا خاصا بُلند ہو چکا تھا مگر گھر میں خاموشی سی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کُوڑے دان کھنگالا جائے مگر پہلی دفعہ مجھے وہ خالی نظر آیا شاید سارے خاندان والے چھُٹی کے دن کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ مجھے اس وقت شدّت سے ایک موٹے چوہے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ میں نے آج پھر یہاں سے دو میل دور ایک سُپر اسٹور کے گودام میں جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک بڑا خطرناک سفر ثابت ہوتا تھا کیونکہ کئی لوگ میرے اس راستے کو استعمال کرتے تھے مگر میں نالیوں، جھاڑیوں، فٹ پاتھوں کی آڑ لیتا وہاں پہنچ ہی گیا۔ گودام سے پہلے پڑنے والی سڑک پار کرنا ایک بڑا ہی مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ میں اس بار ایک ہلکے ہلکے چلنے والے ٹریکٹر کے پہیّوں کے نیچے آتے آتے بچا۔ سڑک پار کر کے گودام تک پہنچنا اب کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اندر میں نے چوہوں کو ہلکے ہلکے خاموشی سے آپس میں صلاح مشورہ کرتے سنا۔ چُپکے سے میں ان کے پیچھے سے ان کی طرف بڑھا۔ جب میں اپنے موٹے تازے شکار سے دو فٹ کے فاصلے پر پہنچا تو ایک چوہے نے میری موجودگی محسوس کر لی۔ اس نے خطرے کا الارم بجا دیا۔ چار تو بچ کر نکل گئے مگر ایک میرے ہاتھ آگیا۔ پھر تو مزہ آگیا۔ اچھی طرح پیٹ بھرنے کے بعد میں نے دوپہر کی دھوپ میں آرام کا سوچا۔ پھر وہی لمحہ آگیا جس کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔ کوئی چیخا، "بچاؤ! بچاؤ! سانپ! سانپ!" دھت تیرے کی..... میں اپنی قسمت کو کوستا ہوا دیوار کے کنارے، سوراخ میں گھس گیا جیسے ہی میں نے سامنے سے بھاری قدموں سے پیدا ہونے والا ارتعاش زمین پر محسوس کیا۔ آواز آئی۔ "کہاں چلا گیا؟..... ابھی تو یہیں تھا؟"

واقعی چونکہ میں بہت موٹا تازہ اور لمبا ہوں اس

لئے سب مجھے زہریلا سمجھتے ہیں اور بہت ہی خطرناک سمجھتے ہیں جب کہ میں بالکل ہی بے ضرر ہوں۔ حتیٰ کہ ہمارے زہریلے ساتھی مثلاً کوبرا بھی بہت کم ہی کاٹتے ہیں اور کاٹتے بھی ہیں تو بس مزے کے لئے۔ یہ زیادہ تر اس جگہ سے ہی ہٹ جاتے ہیں جہاں یہ قدموں کا ارتعاش یا دھمک محسوس کریں۔ مگر بعض اوقات جب خطرہ سر پر پہنچ جاتا ہے اور یہ خوفزدہ یا حیران ہو جاتے ہیں تو اپنے دفاع کے لئے حملہ کر دیتے ہیں۔

حالانکہ ہم نہ صرف ان چوہوں اور چھوٹے جانوروں کی تعداد کنٹرول میں رکھتے ہیں جو نہ صرف فصلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ضرر رساں جراثیم بھی اُٹھائے پھرتے ہیں۔ آپ کو تو ہم کو انسان کا محسن ہونے کی بنا پر تمغوں سے نوازنا چاہئے تھا، بجائے اس کے کہ ہمارا پیچھا کرتے رہیں۔ لکڑیاں لے کر..... اور ہمیں مارتے رہیں۔ چوہے جتنے نقصانات آپ کو پہنچاتے ہیں، ان کے مقابلے میں ہم کچھ بھی نہیں اور یہی نہیں ہمارے زہر کا استعمال ہی جدید ادویات میں دیکھ لیجئے۔ یہ زہر نہ صرف سرطان، دل کی بیماریوں بلکہ خود ہمارے زہر کے تریاق کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ میری نسل کے بے شمار سانپ اپنے زہر کو آپ کی ضرورتوں کے لئے عطیہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کے لئے اپنی جانوں سے ہاتھ نہیں دھونا پڑتا (البتہ ہماری کھالوں سے جوتے اور دستی بیگ بنانے کے لئے ہزاروں سانپ سالانہ مار دیئے جاتے ہیں) اور ہم واقعی آپ کی مدد کر کے خوش ہوتے ہیں۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ ایک اونس کوبرا سانپ کے زہر کی قیمت سونے کے ایک اونس سے نو گنا زیادہ تجاوز کر سکتی ہے۔ اب خود ہی سوچئے ادھر آپ مجھے مارنے کا سوچ رہے ہیں جب کہ مجھ جیسا بے ضرر ساتھی دوپہر کی دھوپ میں پڑا مزے لے رہا ہے۔ اچھا خیر اب میں واپس اپنے سوراخ میں جاتا ہوں تاکہ آج لگنے والے اس ذہنی جھٹکے کا مداوا کر سکوں۔

اقوال زریں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

- ..... لوگوں کو ان کے اچھے ناموں سے پکارو۔
- ..... کسی کو صحیح راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔
- ..... حلال رزق کمانے والا خدا کا دوست ہے۔
- ..... بیمار کی مزاج پرسی کرنے والا جب تک بیمار کے پاس رہے اس کی مثال ایسی ہے گویا کہ باغ جنت میں کھڑا ہو۔

مرسلہ..... طیبہ عرفان، اسلام آباد

معلومات

- ..... کوئٹہ کا پرانا نام شال کوٹ ہے۔
- ..... مکران دو الفاظ سے مل کر بنا ہے مک (کھجور) ران (نخلستان)

بے کار ہے

- ..... بے کار ہے وہ رات جس میں عبادت نہ ہو۔
- ..... بے کار ہے وہ عدالت جس میں انصاف نہ ہو۔
- ..... بے کار ہے وہ زندگی جس میں ہنر نہ ہو۔
- ..... بے کار ہے وہ دل جس میں درد نہ ہو۔

مرسلہ..... صوفیہ سلطان، کراچی۔

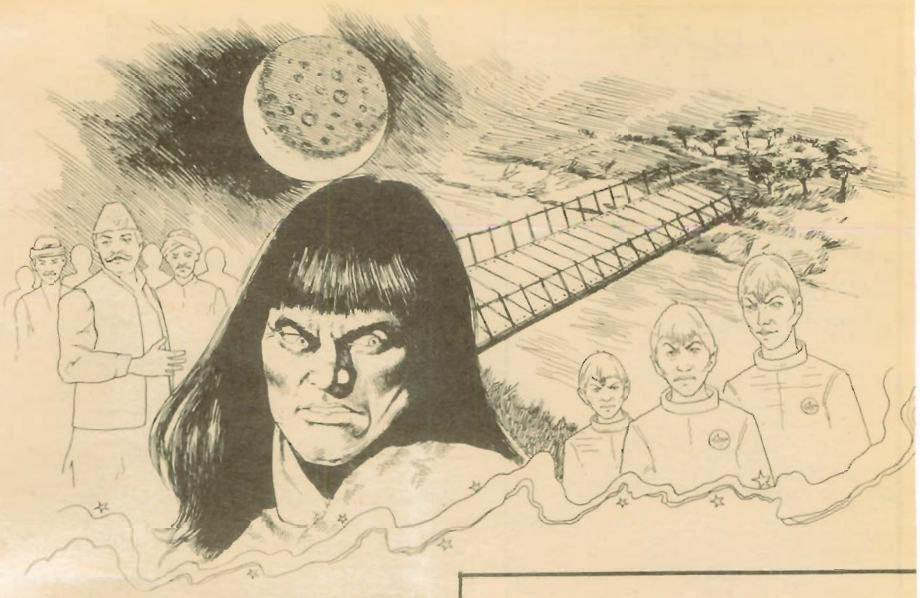

شاکا مرخی کی پٹائی

نعیم مشتاق نومی

ایک گاؤں تھا۔ بہت خوبصورت ۔ بہت خوش حال۔ دریا کے کنارے آباد اس گاؤں کا نام تھا نیک پور۔ نیک پور کا چوہدری بہت رحم دل اور شریف النفس انسان تھا۔ وہ اپنے گاؤں والوں کا بہت خیال رکھتا۔ کسی کے ساتھ اگر ظلم ہوتا تو وہ انصاف کرتا۔ کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تو وہ اس کی حاجت رفع کرتا۔ بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا، مہمان نوازی، مسافر پروری اس کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس کا خدا نے اسے انعام بھی دے رکھا تھا۔ گاؤں کی خوش حالی کی صورت میں۔

نیک پور والے دریا کے کنارے آباد تھے۔ جس طرف ان کی آبادی تھی، وہ زمینیں بنجر تھیں۔ لہٰذا وہاں کاشت کاری نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے گاؤں والے دریا پار جا کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اُدھر کی زمین اِدھر کی زمین کے برعکس بڑی زرخیز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آبادی کے اُس طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ باغات تھے۔ کھیت تھے۔ فصلیں تھیں۔

پھل پھول تھے۔ خوش حالی ہی خوش حالی تھی۔ گاؤں کے لوگوں کا اس خوش حال اور خوبصورت زمین کے ٹکڑے تک جانے کا صرف ایک ہی رستہ تھا۔ اور وہ تھا، دریا کے اوپر تعمیر کیا گیا لکڑی کا پل، جس پر سے گاؤں والے گزر کر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتے جاتے تھے۔

ایک دن صبح سویرے ایک آدمی نے آکر چوہدری کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ کرم دین تھا۔ جس کے چہرے پر پریشانی سی تھی۔

"ہاں کرم دین! کیا بات ہے ؟....." چوہدری نے کہا۔ "کچھ پریشان نظر آرہے ہو؟"

"چوہدری صاحب! ..... دریا کے کنارے ..... پل کے پاس..... ایک خوفناک شکل والا آدمی زخمی حالت میں پڑا ہے .....!" کرم دین نے بتایا۔

چوہدری چونکا..... "خوفناک شکل والا آدمی! ..... زخمی حالت میں.....!!!" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"جی چوہدری صاحب!"

چلو!..... چل کے دکھاؤ!" چوہدری نے کہا۔

پھر وہ اس کے ہمراہ گھر سے باہر نکل آیا۔

جلد ہی وہ پل کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں واقعی ایک آدمی زخمی حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ کرم دین نے درست ہی کہا تھا۔ اس کی شکل واقعی خوفناک اور عجیب و غریب تھی۔ مگر چوہدری اسے دیکھ کر ڈرا نہیں۔ بلکہ اس کے دل میں زخمی کے لئے ہمدردی کے جذبات اُمنڈ آئے۔

اس نے قریب جا کر اس اجنبی شخص کو دیکھا۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اور خشک ہونٹوں سے کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ چوہدری سمجھ گیا۔ ہو نہ ہو، یہ پانی مانگ رہا ہے۔ اس نے فوراً کرم دین سے پانی لانے کو کہا۔ پانی آگیا۔ اس نے تھوڑا تھوڑا پانی اس کے حلق میں ڈالنا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آگیا۔

"اے اجنبی! تم کون ہو، اور کہاں سے آئے ہو؟" چوہدری نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

کچھ دیر وہ چوہدری کو بڑبڑ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔ "تم لوگ کون ہو؟"

ہم لوگ ..... !!" چوہدری نے کرم دین کی طرف دیکھا۔ "ہم لوگ انسان ہیں..... اور میں اس گاؤں کا چوہدری ہوں!"

"میں نے سنا ہے ..... انسان بڑے رحمدل ہوتے ہیں!" اس نے کہا۔

"انسان بڑے رحمدل ہوتے ہیں .....!!" چوہدری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب؟..... کیا تم انسان نہیں ہو؟"

"نہیں! میں انسان نہیں ہوں!" اجنبی نے کہا۔

"تت..... تم کون ہو پھر.....؟" چوہدری ذرا سا ڈر گیا۔

"میں سیارہ مریخ کا باشندہ ہوں۔" اجنبی نے جواب دیا۔

کرم دین جو پہلے سے ڈرا ہوا تھا کچھ اور خوفزدہ ہو گیا۔ جب کہ چوہدری کا خوف بالکل ختم ہو گیا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" چوہدری نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"آیا نہیں..... پھینکا گیا ہوں.....!" اجنبی نے جواب دیا۔

"کیا مطلب.....؟" اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"دراصل میری ایک دو عادتیں اچھی نہیں ہیں..... لہٰذا حکومت نے مجھے ملک بدر کر دیا..... یعنی اٹھا کر زمین پر پھینک دیا.....!" اجنبی بولا۔

"حالانکہ میں نے معافی بھی مانگی اور توبہ بھی کر لی..... مگر وہ نہیں مانے..... کہنے لگے..... تو کتے کی دُم ہے!..... جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی..... میں نے پوچھا..... یہ کتے کی دُم کیا ہوتی ہے؟..... انہوں نے کہا..... جا کر زمین والوں سے پوچھ لینا....." آخر میں اس نے پوچھا۔ "یہ کتے کی دُم کیا ہوتی ہے؟"

چوہدری ہنسا..... "تمہیں کتا بھی دکھا دیں گے اور اس کی دُم بھی.....! اور اس کا مطلب بھی بتا دیں گے۔ فی الحال تو تم یہ بتاؤ..... تمہاری وہ ایک دو عادتیں کونسی ہیں جن کی وجہ سے تم وہاں سے نکالے گئے.....؟"

"اب وہ عادات میں چھوڑ چکا ہوں!"

"پھر بھی،..... کچھ پتا تو چلے....."

"سننا ہی چاہتے ہو تو سنو!" اجنبی ٹھنڈی سانس لے کر بولا "لالچ..... زیادہ کھانا..... اور لوگوں کو تنگ کرنا میری عادتیں تھیں..... مگر اب میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا!....."

"شاباش!!" چوہدری نے خوش ہو کر کہا "تم یقیناً ایک اچھے انسان ہو.....!"

"انسان نہیں مریخی.....!" اجنبی نے تصحیح کی۔ "کیونکہ میں مریخ کا رہنے والا ہوں!"

"ہاں ہاں!..... مریخی.....!" چوہدری ہنسا۔ "اچھا یہ بتاؤ!..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام شاکا مرخی ہے.....!" اس نے اپنا نام بتایا۔

"میاں شاکا مرخی!..... آؤ گھر چلیں!"

"گھر.....!!!" وہ حیرت زدہ ہو کر بولا۔ "کون سے گھر.....؟"

"بھئی میرے گھر..... اور کس کے گھر؟"

"مریخی انسانوں کے گھروں میں نہیں رہ سکتے.....!"

"کیوں؟"

"وہ کیسے.....؟"

"ہمیں وہاں گھٹن اور حبس محسوس ہوتی ہے..... دَم گھٹتا ہے ہمارا.....!"

"گھٹن..... حبس..... دَم گھٹتا ہے.....!! کیا

مطلب؟"

"جہاں پر دھواں ہو، ..... پولوشن ہو ..... ملاوٹ ہو ..... وہاں ہم مریخیوں کا دم گھٹتا ہے۔" اس نے بتایا۔ "کیا تم انسانوں کا ان چیزوں سے دم نہیں گھٹتا؟ ..... کیا ان کا اثر تم لوگوں پر نہیں ہوتا؟ ....."

"ہوتا ہے ..... مگر بہت کم ..... کیونکہ انسان اصل میں بہت ڈھیٹ واقع ہوا ہے .....!"

"بہت دلچسپ بات ہے .....!" وہ مسکرایا۔

"تم مریخی کہاں رہتے ہوں؟"

"کھلی جگہ پر ..... سبزے اور پانی کے نزدیک"!

"اچھا .....!" چوہدری نے چاروں طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اگر تمہیں کہا جائے، یہاں رہو ..... تو تم رہنے کے لئے کون سی جگہ چنو گے؟"

اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، چاروں طرف دیکھا۔

پھر بولا "اس پل کے نیچے .....!" اس نے دریا پر بنے پل کی طرف اشارہ کیا۔

"کھاتے کیا ہو تم مریخی .....؟"

"سبزہ اور پھل فروٹ .....!" اس نے بتایا۔

"کیا وہاں مریخ پر بھی پھل فروٹ ہوتے ہیں؟"

"ہاں! ..... کیوں نہیں؟ ....." اس نے جواب دیا۔ "وہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے ..... پھل فروٹ، سبزیاں وغیرہ سب کچھ ..... اور وہاں کا قانون ہے ..... جو سبزے کو نقصان پہنچائے گا یا ماحول کو خراب کرے گا ..... سزائے موت کا حقدار ہو گا ..... یہی وجہ ہے کہ وہاں کی آکسیجن بہت صاف اور خالص ہے ..... وہاں درخت ہی درخت ہیں ..... سبزہ ہی سبزہ ہے ..... خوبصورت اور خالص سبزہ ہے ....." وہ ذرا سا رکا۔ پھر بولا "مجھے سزا کے طور پر زمین پر اسی لئے پھینکا گیا ہے ..... تاکہ نا خالص اور آلودہ ہوا میں سانس لوں ..... ملاوٹ والا، کثافت والا پانی پیوں ..... گندی سندی سبزیاں کھاؤں ..... تاکہ بیمار پڑا رہوں"

"فکر نہ کرو دوست!" چوہدری نے تسلی دی۔ "اگر تم بیمار پڑے تو ہم ڈاکٹر کو بلا لیں گے۔"

"ڈاکٹر .....!!" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ کس چیز کا نام ہے؟ ....."

"کیا وہاں مریخ پر ڈاکٹر نہیں ہوتے .....؟"

"میں تو یہ لفظ پہلی بار سن رہا ہوں ....." اس نے کہا۔ "بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

چوہدری نے اسے تفصیل سے ڈاکٹر کے بارے میں سمجھایا۔

"وہاں تو نہ کوئی بیمار ہوتا ہے اور نہ کوئی ڈاکٹر .....!" اس نے بتایا۔

"حیران کن بات ہے .....!" چوہدری اور

کرم دین دونوں حیران تھے۔

ان کے درمیان کچھ دیر مزید گفتگو ہوئی۔ چوہدری اسے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اس کی مرہم پٹی کی گئی۔ اس کے بعد اسے کھانے کے لئے تازہ پھل، تازہ سبزہ اور صاف ستھرا پانی پیش کیا گیا۔ اس نے جی بھر کے پھل اور سبزہ کھایا، پانی پیا، اور اِن کا شکریہ ادا کیا۔

چوہدری کے گھر اس کا علاج ہونے لگا۔ چند دنوں بعد اس کے تمام زخم بھر گئے۔ مگر وہ بیمار پڑ گیا۔ اس کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ شہر سے ڈاکٹر بلایا گیا۔ اور نئے سرے سے اس کا علاج ہونے لگا۔ یہ تمام خرچہ چوہدری برداشت کر رہا تھا کیونکہ اسے ایسے کاموں سے روحانی تسکین حاصل ہوتی تھی۔

کچھ عرصہ بعد شاکا مرخی پوری طرح تندرست ہو گیا۔

اس نے چوہدری سے کہا۔ "اب میرا خیال ہے ..... مجھے اجازت دیں! ..... اب میں پُل کے نیچے رہوں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی .....!" چوہدری نے کہا۔

یوں وہ پل کے نیچے رہنے لگا۔

دن پہ دن گزرنے لگے۔ شاکا مرخی وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بھولتا چلا گیا۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اب مریخ پر نہیں بلکہ زمین پر ہے، وہ کھاتا پیتا اور ادھر ادھر گھومتا رہتا۔ وقت گزرتا رہا ..... آہستہ آہستہ اس کی پرانی فطرت لوٹنے لگی۔ وہ اپنا کیا ہوا وعدہ اور ارادہ بھول گیا۔ اس کے من پر پھر لالچ چھا گئی۔ زیادہ کھانے کی عادت پھر سے اس کا معمول بن گئی۔ اس نے لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ..... اور کرتے کرتے ایک دن ایسا آیا کہ اس نے لوگوں کو الٹی میٹم دے دیا کہ جو کوئی بھی اب پل سے پر گزرے گا، میں اسے کھا جاؤں گا۔ لوگوں نے اسے مذاق سمجھا۔ اور جن آدمیوں نے وہاں سے گزرنے کی کوشش کی، وہ واقعی انہیں چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ اس حرکت سے گاؤں والے نہایت پریشان ہوئے۔

گاؤں کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر چوہدری کے پاس گئے۔ اور اپنی مشکل بیان کی۔

ایک نے کہا۔ "چوہدری صاحب! اگر آپ اسے یہاں نہ رکھتے تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا ..... ویسے بھی ..... یہ ہمارا کونسا کچھ لگتا ہے؟"

"انسانیت کے ناطے وہ ہمارا بھائی ہے .....!" چوہدری نے شائستہ لہجے میں سمجھایا۔ "اور بھائی کی مصیبت میں اس کے کام آنا ..... اس کی مدد کرنا ..... ہمارا اخلاقی فرض بھی ہے ..... اور یہ ارشاد الٰہی بھی ہے ....."

یہ سن کر سب کو چُپ لگ گئی۔

ایک بزرگ نے کہا۔ "چوہدری صاحب! جو ہوا، سو ہوا ..... کیا ہوا؟ کیا نہیں ہوا؟ ..... اس بات کو چھوڑیں، اور یہ بتائیں ..... اب ہم لوگ کیا کریں؟ کیسے دریا پار جا کر ضروریات زندگی حاصل کریں؟ ....." (جاری ہے)

جب آپ نیلے آسمان پہ محوِ سفر ہوتے ہیں
تو آنکھ مچولی آپ کا ہم سفر ہوتا ہے

جی ہاں!

اگر آپ کبھی پی آئی اے سے سفر کر رہے ہوں
اور آپ کا دل کچھ پڑھنے کو چاہے ——— تو آپ اپنے فضائی میزبان
سے آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں
بات صرف اتنی سی ہے

آپ جہاں ہیں — آنکھ مچولی وہاں ہے

• دلچسپ کہانیاں • مزیدار نظمیں • معلوماتی مضامین • چونکا دینے والی تصویریں
اور وہ سب کچھ جو صرف آنکھ مچولی میں ہوتا ہے

وقت کا بہترین استعمال آنکھ مچولی کا مطالعہ

آنکھ مچولی کو آپ ہمیشہ ایک سچا اور وفادار دوست پائیں گے

ادارہ آنکھ مچولی 1۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

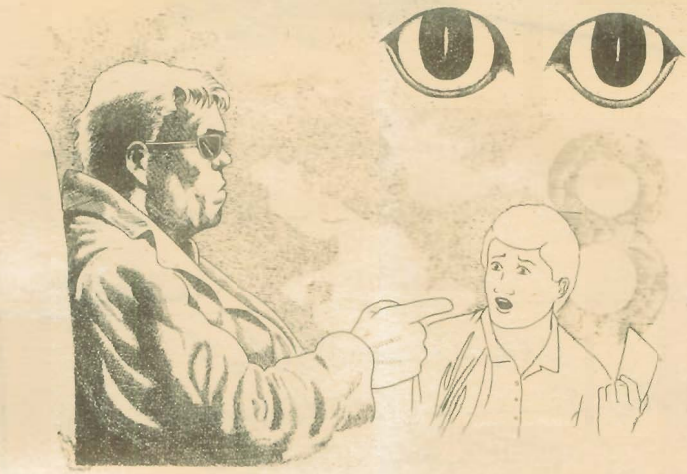

وہ کیا راز تھا؟

ساتویں قسط

محمد عمر احمد خان

جواد اپنے چھوٹے بھائی کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر ڈر گیا۔ اس ڈر کا محرّک وہ واقعہ تھا جو ایک سال پہلے دارالحکومت میں اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ٹرین میں اس کے ہم سفر، ایک پُراسرار شخصیت ثابت ہوئے۔ انھوں نے اسلام آباد میں ٹھہرنے کے لئے جواد کو "ہوٹل اسپا" کا کارڈ دیا۔

جواد نے ہوٹل فون کیا تو پانچ منٹ کے مختصر وقت میں آٹھ پہیوں والی ایک عجیب و غریب گاڑی اسے لینے اسٹیشن پہنچ گئی۔ گاڑی کے ڈرائیور اور میزبان نے شیر بہادر صاحب کی طرح آنکھوں پر کالا چشمہ لگایا ہوا تھا اور ہاتھ دستانوں میں پوشیدہ تھے۔

ہوٹل پہنچتے ہی پُراسرار واقعات کا سلسلہ چل نکلا۔

منیجر نے کمرے کی چابی جواد کی طرف بڑھائی تو نیچے گر پڑی۔ ملازم نے چابی اٹھا کر جواد کو دی تو............ جواد حیران رہ گیا۔ ملازم کے ہاتھ میں آٹھ اُنگلیاں تھیں۔

ہوٹل میں ہر جگہ آٹھ کا ہندسہ گردش کر رہا تھا۔ رات بارہ بجے جواد کی آنکھ کُھلی تو اس نے کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر کا منظر دیکھنا چاہا۔ اسی وقت اندھیرے میں سے کوئی چیز اُڑتی ہوئی آئی اور جواد سے ٹکرا گئی۔ وہ ایک چیخ مار کر کمرے میں بچھے قالین پر گر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کا کمرہ الّو اور

طوطوں جیسی صورت والے پرندوں سے بھر گیا تھا۔

کر کر کی آوازوں نے جواد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی کالی مکڑیاں اس کے بستر پر رینگ رہی ہیں۔ اس کمرے میں سفید سفوف رکھا تھا جس کی وجہ سے مکڑیاں کھنچی چلی آئی تھیں۔

سفید سفوف کھانے سے چیزیں کئی گنا بڑی ہو جاتی تھیں۔ مکڑیوں نے سفید سفوف کھالیا تو بڑی بڑی عفریت جیسی شکلوں میں تبدیل ہو گئیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ملازم کو چیر پھاڑ ڈالا۔

ہوٹل کے منیجر اور بقیہ ملازمین نے عجیب و غریب گنوں سے خونی مکڑیوں پر فائرنگ کی تو ساری مکڑیاں ڈھیر ہو گئیں۔ لیکن سفید سفوف ضائع کرنے کے بعد جب انہوں نے راہداری میں قدم رکھا تو ایک ناقابل یقین منظر ان کے سامنے تھا۔ مُردہ مکڑیاں دوبارہ زندہ ہو گئی تھیں اور اب اپنے کٹے پھٹے جسموں کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہی تھیں!!!

(اب آگے پڑھیے)

راہداری مر کر زندہ ہو جانے والی خونی مکڑیوں کی بھیانک آوازوں سے گونج رہی تھی پھر کئی پھٹی مکڑیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور حیران کن تھا کہ کوئی بھی اپنا دفاع نہ کر سکا۔ منیجر اور ہوٹل کے ملازمین خوف و دہشت کے عالم میں اپنی گنیں پہلے ہی چھوڑ چکے تھے اور ہمت بھی۔

کٹے پھٹے جسموں والی بے ڈول مکڑیاں جب قریب پہنچ کر ان پر حملہ آور ہوئیں تو کوئی چیخ بھی نہ سکا اور مکڑیاں انہیں شکار کرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے مکڑیوں نے منیجر اور ملازمین ..... کو بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی پر کئی کئی مکڑیاں چمٹی ہوئی تھیں۔ کوئی ہاتھ الگ کرنے میں لگی ہوئی تھی، کوئی ٹانگ، تو کوئی سر دھڑ سے الگ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

ایک درجن کے قریب مکڑیاں جواد کی طرف بڑھیں تو وہ چیخ بھی نہ سکا اور مکڑیوں نے اسے راہداری کے فرش پر گرا دیا اور پھر مکڑیوں نے اسے اپنی کھپچی جیسی ٹانگوں میں جکڑ لیا اور کچھ ہی دیر بعد جواد کے ہاتھ، پاؤں اور سر دھڑ سے الگ ایک طرف پڑے تھے اور سروں والی مکڑیاں اس کا دھڑ بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا رہی تھیں۔

ہوٹل اسپائیڈر اب واقعی "ہوٹل اسپائیڈر" لگ رہا تھا۔ جہاں اب مکمل طور پر مکڑیوں کا راج تھا جو انسانوں کو کھا رہی تھیں۔ لاشوں کو بھنبھوڑنے کے دوران وہ بری طرح غُرّا بھی رہی تھیں اور گوشت کے پیچھے ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں۔

مکڑیاں ابھی انسانی گوشت کھانے میں مصروف ہی تھیں کہ راہداری میں الّو اور طوطوں جیسی شکلوں والے پرندے اُڑ اُڑ کر آگے لگے۔ سروں والی مکڑیاں اُچھل اُچھل کر پرندوں کا شکار کرنے لگیں تو سینکڑوں کی تعداد میں..... اُڑنے والے پرندے گھبرا کر باغ کا رُخ کرنے لگے۔ مکڑیاں بھی اُچھلتی کودتی ان کے پیچھے باغ میں جانے لگیں..... کچھ ہی دیر بعد ساری مکڑیاں باغ میں چلی گئیں۔

مکڑیوں کے چلے جانے کے بعد راہداری میں سناٹا بولنے لگا۔ منیجر، جواد اور ہوٹل کے تقریباً ایک درجن ملازمین کی کٹی پھٹی لاشیں اِدھر اُدھر بکھری

پڑی تھیں یا وہ خون جوان کے جسموں سے بہا تھا .....!!

پورے نصف گھنٹے تک راہداری میں موت کی سی خاموشی چھائی رہی پھر یوں محسوس ہوا جیسے لاشوں سے الگ ہو جانے والے سر آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔

کچھ دیر تک راہداری میں عجیب بھنبھناہٹ سی ہوتی رہی پھر ایک حیرت انگیز بات رونما ہوئی۔ سرگوشیاں کرنے والے سر اپنی جگہ سے ہلے اور گیندوں کی طرح لڑھکتے ہوئے اپنی کٹی پھٹی لاشوں سے جا کر چپک گئے۔ سروں کے لگتے ہی لاشیں اُٹھ کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے غُرّا کر کہا۔

"ہمیں کوئی نہیں مار سکتا ..... ہم نے سفید سفوف کھایا ہے۔"

منیجر نے اُٹھ کر جلدی سے اپنے پھٹے ہوئے پیٹ سے باہر لٹکنے والی انتڑیاں واپس پیٹ کے اندر ڈالیں پھر اپنے زخموں پر لگے خون کو چاٹتے ہوئے غُرّا کر بولا۔

"کم بختو! یہ سب ہماری غلطی کی وجہ سے ہوا ہے ..... جب ہمیں معلوم تھا کہ مکڑیوں نے سفید سفوف کھایا ہے اور وہ مر کر دوبارہ زندہ بھی ہو سکتی ہیں تو ہمیں یہاں "حفاظتی لباس" پہن کر ..... آنا چاہئے تھا۔"

لیکن منیجر کی یہ بات مر کر زندہ ہونے والوں نے نظر انداز کر دی۔ وہ اب آپس میں لڑنے لگے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "میرا سر واپس کرو ..... تم نے میرا اچھا والا سر لے لیا اور اپنے بھوسے والے دماغ مجھے دے دیا ہے۔"

"خاموش!" منیجر غصے سے دھاڑا تو وہ سب سہم گئے۔

"ہمارے مہمان کو ابھی تک ہوش نہیں آیا؟" منیجر نے غُرّاتے ہوئے پوچھا تو ایک ملازم نے دائیں بائیں ہلتے ہوئے بڑے مؤدب لہجے میں کہا۔

"سر! ہوش کس طرح آئے گا اسے ..... اس بے چارے نے تو سفید سفوف چکھا تک نہیں ہے۔"

"لیکن مکڑیوں کے جراثیم تو اس کے جسم میں چلے گئے ہیں اب تک تو اسے ہوش آ جانا چاہئے۔" یہ کہہ کر منیجر نے جواد کا الگ پڑا ہوا سر اُٹھایا اور اس کے دھڑ سے چپکا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد جواد نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں کہاں ہوں؟ یہ سب کیا ہے؟" جواد نے اپنے سامنے کھڑے کٹے پھٹے جسموں والے ملازمین اور منیجر کو دیکھتے ہوئے بڑے ہولے سے کہا۔

"تم اس وقت ہوٹل اسپائیڈر میں ہو جواد اور ..... اب تم ہماری برادری میں شامل ہو گئے ہو۔" منیجر نے ایک زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کک ..... کک ..... کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ظاہر ہے ..... تم اپنے

آپ کو غور سے دیکھو۔ تمہارا جسم ہمارے جسم سے بڑھ گیا ہے۔ تمہاری آنکھیں اُڑنے والے پرندوں کی طرح گول ہو گئی ہیں اور ..... مکڑیوں کی طرح تمہارے ہاتھوں اور پیروں میں انگلیوں کی تعداد آٹھ ہو گئی ہے۔" منیجر نے ایک زور دار قہقہہ لگایا تو اس کی آنکھ کا ڈھیلا نکل کر فرش پر گر پڑا۔ منیجر نے جلدی سے جُھک کر آنکھ کے ڈھیلے کو اُٹھایا اور آنکھ میں واپس رکھ لیا۔

جواد نے اپنے ہاتھوں، پیروں اور بڑھے ہوئے جسم کو دیکھا تو حیران ہی رہ گیا۔

اس کا زخمی جسم پہلے سے کہیں بڑھ گیا تھا اور اس کا سر راہداری کی اونچی چھت سے ٹکرا رہا تھا۔

"یہ ..... یہ ..... مجھے کیا ہو گیا ہے؟" جواد ہکلایا تو منیجر اور ملازمین ..... زور زور سے ہنسنے لگے۔ کٹے پھٹے، بے ہنگم غراہٹوں کے درمیان ہلتے ہوئے ان کے جسم بدروحوں جیسے لگ رہے تھے۔ منیجر نے جواد کی بات کا جواب نہ دیا۔

"ہمیں زخمی جسموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے "آبِ حیات" سے غسل کرنا ہوگا ....." منیجر نے کہا۔ دوبارہ زندہ ہونے والے ملازمین میں جیسے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سب خوشی سے ناچنے لگے۔

"تو سر! پھر لیبارٹری میں چلیں؟" ایک ملازم نے ناچتے ہوئے کہا۔ اس کا آدھا سر غائب تھا، آدھا مکڑیاں کھا گئی تھیں۔

"مہمان کا ہاتھ پکڑ لو..... اب ہم لیبارٹری کی طرف جا رہے ہیں....."

منیجر غُرّایا تو انہوں نے ناچنا بند کر دیا اور جواد کا ہاتھ پکڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے راہداری سے باہر نکل کر ہوٹل کے عقبی حصّے کی طرف جانے لگے جہاں بڑے بڑے شیشوں والی ایک خوبصورت سی عمارت نظر آ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سب اپنے کٹے پھٹے جسموں کے ساتھ اس عمارت کے اندر پہنچ گئے۔ عمارت کے اندر جگہ جگہ سفید گاؤن پہنے ہوئے لوگ مختلف سائنسی آلات کے درمیان تجربات کرتے نظر آ رہے تھے۔ منیجر کی رہنمائی میں ملازمین اور جواد ..... مختلف راہداریوں سے گزرنے کے بعد ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں پہنچ گئے جہاں ایک بڑا سا تالاب پانی سے لبالب بھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"مسٹر جواد! یہ ہے آبِ حیات۔" منیجر نے خرخراتے ہوئے کہا پھر اس کے حکم پر سب کے سب پانی میں کود پڑے۔ جواد کو بھی دھکّا دے کر پانی میں پھینک دیا گیا۔

جب ان لوگوں کو ..... پانی سے باہر نکالا گیا تو سب کے زخم بھر چکے تھے، سب تندرست اور چاق و چوبند نظر آ رہے تھے ان سب کو نفیس ترین لباس پہنائے گئے پھر انہیں ایک بڑے سے آڈیٹوریم میں لے جایا گیا جہاں کافی سارے لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ منیجر نے جواد کو بتایا کہ یہ سب لوگ سائنس دان ہیں اور ہوٹل اسپائیڈر کی

لیبارٹری میں جو اہم تجربات ہو رہے ہیں ان میں انہی لوگوں سے مدد لی جا رہی ہے۔

جواد منیجر کی باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا۔ اس کا قد وہاں موجود لوگوں کے قد سے اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ تمام لوگ اس کے سامنے بونے لگ رہے تھے۔ جواد نے محسوس کیا تھا کہ اس کا قد بڑھتے ہی اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کا اندازہ اسے اس بات سے ہوا تھا کہ منیجر جو باتیں سوچ رہا تھا۔ وہ دماغی لہروں کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچ رہی تھیں۔ جواد یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے سامنے کھُلی کتاب ..... رکھی ہو اور جسے وہ پڑھ رہا ہو۔

جواد نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ اس کی آنکھیں پرندوں کی طرح گول ہو گئی تھیں اور جونہی وہ کسی کی طرف غور سے دیکھتا تھا تو اس کی سوچ کی لہریں چُپ چاپ اس فرد کے دماغ میں پہنچ جاتی تھیں اور جواد کو پتہ چل جاتا کہ وہ فرد کیا سوچ رہا ہے؟

یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی اور جواد کے لئے نہایت انوکھی۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ اس قسم کی صلاحیت کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں اور ٹیلی پیتھی بڑی ریاضت اور مشقوں کے بعد حاصل ہوتی ہے ..... بہر حال اسے یہ صلاحیت بغیر کسی مشق اور کوشش کے حاصل ہو گئی تھی۔

اس بڑے سے ہال میں جو سائنس دان بیٹھے تھے جواد ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے دماغ میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر جو معلومات حاصل ہوئیں وہ نہایت خوفناک تھیں۔

جواد کو پتہ چلا کہ ہوٹل اسپائیڈر میں جو لوگ موجود ہیں ان کا انسانی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کوہ قاف کے بونوں کی نسل میں سے تھے۔ ان کی آنکھیں پرندوں جیسی تیز اور ہاتھوں اور پیروں کی گرفت مکڑیوں جیسی مضبوط تھی۔ وہ لوگ مختلف ممالک میں مختلف شکلوں میں موجود تھے اور پوری دنیا پر اپنا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے سائنسی تجربات کر رہے تھے۔ سفید سفوف کھا کر ان کے قد انسانوں کے برابر ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا کی حکومت ذہین لوگوں کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے۔ انہوں نے طب کے میدان میں اتنی زیادہ ترقی کر لی تھی کہ بڑے سے بڑے زخم منٹوں میں ٹھیک کر لیتے تھے اس کے لئے انہوں نے نہایت زود اثر محلول اور سفوف بنائے تھے جن سے وہ اپنے زخموں کا علاج کرتے تھے۔

وہ پرندوں اور مکڑیوں کی صلاحیتوں سے بہت زیادہ متاثر تھے اس لئے انہیں اپنے تجربات میں استعمال کر رہے تھے۔ جواد کو یہ بھی پتا چلا کہ جو سائنس دان اس لیبارٹری میں کام کر رہے ہیں انہیں انسانی دنیا سے لایا گیا ہے۔ انسانی دنیا میں تو وہ مر چکے ہیں لیکن در حقیقت وہ ابھی اپنی طبعی موت کو نہیں پہنچے تھے، انہیں قبروں سے حاصل کیا گیا تھا۔ دنیا کے ذہین ترین سائنس دان یہاں موجود تھے اور ان کے لئے کام کر رہے تھے۔

جواد نے ابھی اتنی ہی معلومات حاصل کی تھیں کہ مائک سے اعلان ہونے لگا "ہماری نئی مملکت کے سربراہ کچھ ہی دیر بعد یہاں آپ لوگوں کے درمیان پہنچنے والے ہیں جیسے ہی وہ ہال میں پہنچے گے آپ سب ان کی تعظیم کے لئے سجدے میں چلے جائیں گے۔ اس اعلان کے ختم ہوتے ہی ہال اندھیرے میں ڈوب گیا جب کچھ دیر بعد روشنی کی گئی تو آٹھ ہاتھوں، اور آٹھ پیروں والا ایک عجیب و غریب بونا ان کے سامنے موجود تھا۔

اسے دیکھتے ہی تمام لوگ ادب سے جُھک گئے لیکن جواد کھڑا رہا۔

"تم ہمیں دیکھ کر نہیں جُھکے ..... تم جانتے ہو ہم اس کی کیا سزا دیتے ہیں؟"

بونے نے غُراتے ہوئے جواد سے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ جواد کوئی جواب دیتا، بونے کی آنکھوں سے عجیب و غریب شعاعیں کوندیں اور جواد کی چیخیں نکل گئیں۔ شعاعیں اس کو دھکے مارتی ہوئی پیچھے لے جا رہی تھیں پھر ہال کی عقبی دیوار ایک دھماکے سے ٹوٹی اور جواد باغ میں جا گرا۔

جہاں کئی پھٹی خونی مکڑیاں پرندوں کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔ جواد کو سامنے پا کر وہ اس پر ٹوٹ پڑیں۔

"نہیں ..... نہیں ..... مجھے مت کھاؤ ..... مجھے مت کھاؤ....." جواد چیخنے لگا۔ اسی وقت اسے یوں محسوس ہوا جیسے باغ کی زمین پھٹ رہی ہے اور وہ اس میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ مکڑیاں بھی اس کے ساتھ زمین میں دھنستی جا رہی تھیں .....

پھر ایک دم سے ایک زور دار دھماکہ ہوا اور جواد کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے دیکھا وہ باغ میں نہیں اپنے کمرے میں موجود تھا۔

"اُف میرے خدایا! کیا یہ خواب تھا؟" جواد کو جھرجھری سی آ گئی۔

"میرے خیال میں بارش رُک چکی ہے۔" جواد نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ اسے وقت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس کے ہاتھ پر بندھی گھڑی اور دیوار پر لگی دونوں گھڑیوں میں آٹھ ہی بج رہے تھے ..... جواد ملازم کو بلانے کے لئے گھنٹی بجانا ہی چاہتا تھا کہ خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔ اس کے تکئے کے سرہانے واقعی کالے رنگ کی تقریباً ایک درجن بدہیت مکڑیاں رینگ رہی تھیں۔ جواد کی چیخ سُن کر ملازم دوڑا چلا آیا پھر مکڑیوں کو دیکھتے ہی وہ ساری صورتِ حال سمجھ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا جواد نے تکیہ اٹھا کر مکڑیوں پر دے مارا۔ کچھ مکڑیاں مر گئیں جب کہ کچھ اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا؟ آپ کو معلوم نہیں یہ ہماری لیبارٹری کی قیمتی مکڑیاں ہیں جن پر ہمارے سائنس دان تجربات کر رہے ہیں۔" ملازم نے سخت لہجے میں کہا۔

جواد نے محسوس کیا کہ ملازم کا لہجہ خاصا غصیلا ہو گیا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر مری ہوئی مکڑیوں

کو احتیاط سے اُٹھا کر اپنی ہتھیلیوں پر رکھا اور کمرے سے باہر جاتے ہوئے رُک کر بولا۔

"صبح کے سات بج چکے ہیں۔ آپ کا انٹرویو نو بجے ہو گا۔ منیجر صاحب نے مجھے اس لئے بھیجا تھا کہ آپ کو جگا دوں۔ آپ فوراً تیاری شروع کر دیجئے۔ نہا دھو لیجئے، استری کمرے میں موجود ہے۔ کپڑوں پر استری کرنا چاہیں تو کر لیجئے میں آدھ پون گھنٹے بعد ناشتہ لے کر آپ کے کمرے میں ہی پہنچ رہا ہوں۔"

ملازم کے جانے کے بعد جواد سوچ میں پڑ گیا۔ رات قہوہ پینے کے بعد اسے اتنی گہری نیند آئی تھی کہ اب صبح سات بجے آنکھ کھلی تھی۔ پھر وہ رات کے خواب کے متعلق سوچنے لگا تو خوف سے اسے جھرجھری سی آ گئی۔

صبح ہو چلی تھی۔ ملازم اس کے کمرے کی کھڑکی کھول کر چلا گیا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے جسم سے آ کر ٹکرائے تو اسے سردی کا احساس ہوا۔ وہ کھڑکی کے پٹ بند کرنے کھڑکی تک گیا پھر باہر کا منظر دیکھ کر ایک دم سے حیران رہ گیا۔

رات خواب میں..... بونے نے جس باغ میں اسے پھینکا تھا اس کا نقشہ بالکل ہوٹل کے اس باغ جیسا تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے اس وقت موجود تھا.....!!!

جاری ہے..... اس پُراسرار کہانی کے مزید سنسنی خیز اور دلچسپ واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں!!

بچوں کے مشہور و معروف مصنف

اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

۵۷۹ — بچاؤ — مینی خاص نمبر — ۲۰ روپے
۵۸۰ — بے گناہ مجرم — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۰ روپے
۵۸۱ — تحفے کا اسرار — 〃 — ۱۰ روپے
۵۰ — گھر میں نقاب پوش — 〃 — ۱۰ روپے
۵۱ — گھڑی کا ہنگامہ — 〃 — ۱۰ روپے
۵۲ — لنگڑی سازش — 〃 — ۱۰ روپے
۵۳ — خونی دھواں — 〃 — ۱۰ روپے

۲۰ جولائی ۱۹۹۴ء

کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بکسٹال پر دستیاب

— یا —

پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں لاہور، — فون ۷۲۴۶۳۵۶

قلم دوست

ان کی تحریریں جو ادیب بننا چاہتے ہیں

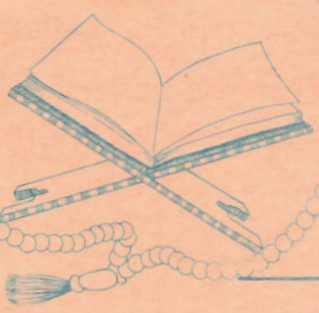

حمد باری تعالیٰ

محمد سلیم امام، العین

اے خدا، اے خدا، اے ہمارے خدا ہیں محتاج تیرے ہی شاہ و گدا
تو غفار ہے اور قہار ہے
تو سارے جہانوں کا معمار ہے
بنائی ہے تو نے خزاں اور بہار
اگائے ہیں تو نے ہی سیب و انار

اے خدا اے خدا، اے ہمارے خدا تو ہے سب سے بڑا، تو ہے سب۔
تو رحمٰن ہے اور تو ہے رحیم
تو رزّاق ہے اور تو ہے کریم
ہیں تیرے اشارے سے دنیا کے کام
تجھی سے ہے قائم یہ سارا نظام

اے خدا، اے خدا، اے ہمارے خدا ہمیں رحمتیں اپنی کر دے عطا

مریخ

یاسر بن نثار، راولپنڈی

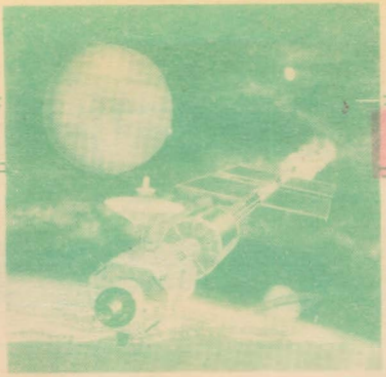

پیارے ساتھیو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کائنات بہت بڑی ہے۔ ہماری زمین نظامِ شمسی کا ایک سیارہ ہے۔ نظامِ شمسی میں زمین کے علاوہ، آٹھ اور سیارے ہیں اور ان سب کی توانائی اور حرارت کا مرکز ستارہ سورج ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ نظامِ شمسی کی طرح اور بھی نظام ہیں، جن میں ستاروں کے گرد کئی سیارے چکر لگا رہے ہیں۔ نظامِ شمسی میں کل نو سیارے شامل ہیں۔ آج ہم آپ کو زمین سے نزدیک سیارے مریخ کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔

مریخ جسے انگریز میں (MURCURY) کہتے ہیں، ہماری زمین سے ساڑھے تین کروڑ میل کی دوری پر ہے۔ مریخ کے کل دو چاند ہیں جو کہ اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کے ایک چاند کا نام "فوبوس" ہے جب کہ دوسرے چاند کا نام "ڈیموس" ہے۔ مریخ کے علاوہ سیارہ نیپچون کے بھی دو چاند ہیں۔ مریخ کا قطر تقریباً ۴۲۰۰ میل ہے یعنی یہ زمین کے قطر سے تقریباً ۳۷۲۶۱۱/۲ میل کم ہے۔ مریخ کا سورج سے فاصلہ ۱۴۱،۵۰۰۰۰۰ میل ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکر تقریباً ۶۸۷ دنوں میں مکمل کرتا ہے۔ یعنی زمین سے ۳۲۲ دن زیادہ مدت میں۔ مریخ کے دن کی لمبائی ۲۴ گھنٹے، ۳۷ منٹ اور ۲۷ سیکنڈ ہے یعنی زمین کے دن سے اس کا دن صرف کچھ منٹ بڑا ہوتا ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مریخ نظامِ شمسی میں سورج سے فاصلے کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر آتا ہے اور یہ ہمارا پڑوسی سیارہ ہے اور صرف اسی سیارے پر تھوڑی سی آکسیجن اور برف کے کچھ آثار ملے ہیں جن سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں پانی تھوڑی بہت مقدار میں موجود ہے۔ سائنس دان کے بھیجے گئے راکٹ بھی اس کے قریب سے گزرے ہیں اور خود کار کیمروں کے ذریعہ سے اس کی سطح کی تصویریں بھی زمین پر موصول ہو چکی ہیں لیکن کسی چیز سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہاں کوئی جاندار موجود ہے۔ یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو گا جب خود انسان کے قدم مریخ پر پہنچ جائیں گے۔ لیکن ایک بات طے ہے وہ یہ کہ اگر وہاں کسی قسم کی مخلوق موجود بھی ہے تو وہ ہم انسانوں سے یقیناً مختلف ہو گی۔

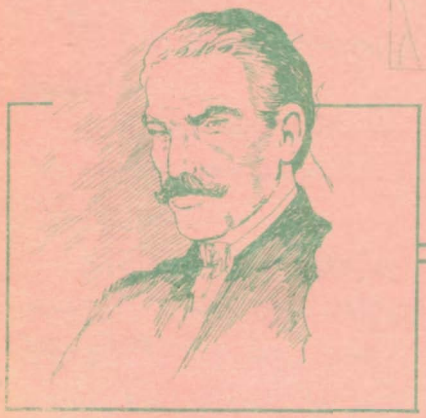

انکل خالد بچ گئے

سیدہ صدف عرفان، اسلام آباد

ہمارے ساتھ والے گھر میں نئے لوگ آئے تھے۔ اور خوشی کی بات یہ تھی کہ ان کا بیٹا اسلم، ہم لوگوں کی عمر کا تھا، دو دن میں وہ ہم سب میں یوں گھل مل گیا تھا گویا برسوں کی جان پہچان ہو۔

ہم سب لڑکے روزانہ سامنے والے گلی میں کرکٹ کھیلتے تھے۔ ایک دن فٹ بال کھیلنے لگے تو گلی چھوٹی پڑ گئی۔

"ایسا کرتے ہیں ہمیں اپنے گھروں کے سامنے کھیل لیتے ہیں، اتنی ساری جگہ ہے منی کو نکڑ پہ بٹھا دیتے ہیں، جونہی کوئی گاڑی یا موٹر سائیکل وغیرہ آئی ہم ایک طرف ہو جائیں گے" اسلم نے رائے دی۔

"ابھی تم نئے ہو نا..! اس لئے تمہیں کچھ نہیں پتہ!!"

"کیا؟" اسلم نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ جو پانچ نمبر مکان ہے، اس میں انکل خالد رہتے ہیں، بہت ہی سخت مزاج ہیں، محلے میں کسی سے ملتے جلتے نہیں۔ ہم لوگوں کو تو ڈانٹتے پہلے ہیں اور بات بعد میں کرتے ہیں۔ سارے پڑوسیوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔" میں نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اچھا! کل میں ان کے گھر پلاؤ لے کر گیا

شاید اسی لئے انہوں نے مجھے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اور پلیٹ بھی میرے سامنے پھینک دی تھی۔ شکر ہے اسٹیل کی تھی، ٹوٹی نہیں"..... "اور یاد نہیں ایک مرتبہ ہماری گیند کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔" کاشف نے یاد دلایا۔

"چلو پھر کرکٹ ہی کھیل لیتے ہیں بند گلی میں"۔

کرکٹ کھیل کر آئے تو خالد انکل کے گھر کے آگے بڑا سا ٹرک کھڑا تھا۔ اور تین چار مزدور گھر سے فرنیچر لالا کر ٹرک میں رکھ رہے تھے۔

"انکل کہیں جا رہے ہیں کیا!" ہم نے مزدور سے پوچھا تو وہ بولا۔

"ہاں ہاں کہیں جا رہے ہیں" اس کا لہجہ کچھ گھبرایا سا لگا۔ ہم وہاں سے جانے ہی والے تھے کہ اسلم نے ہمیں روک لیا۔

"کچھ دیر ٹھہر جاؤ..... یہ تو پوچھ لو کہ انکل کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے پھر اسی مزدور سے رجوع کیا تو پتہ چلا کہ انکل لاہور جا رہے ہیں اس وقت... وہ مزدوروں کو گھر کی چابی دے کر ٹکٹ لینے گئے ہیں۔ ہم واپس آنے لگے لیکن ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ اسلم نے ہمیں روک لیا اور بولا۔

"سنو! مجھے تو کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔ ہم جب لاہور سے یہاں آئے تھے تو سامان فرنیچر پر بڑی احتیاط سے کپڑے اور کاغذ وغیرہ لپٹے تھے۔ ابو نے خود سارا سامان لوڈ کروایا تھا لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ فرنیچر پہ کوئی کاغذ کوئی کپڑا نہیں لپٹا ہوا۔ اور پھر خالد انکل کو مزدوروں پہ اتنا اعتبار کب سے ہو گیا کہ انہیں گھر کی چابی دے کر چلے گئے؟ کہیں یہ چور....."

"ہاں یہ تو ہے"۔ عامر نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا "تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ کاشف خالد انکل کے گھر کی پچھلی دیوار کود کر اندر داخل ہو گا عامر باہر کھڑا رہے گا۔ اگر کوئی مشکل ہوئی تو کاشف سیٹی بجا دے گا۔ اور پھر اسلم، راشد ارشد اور جاوید اپنی اپنی باکیاں لے کر وہاں ٹوٹ پڑیں گے۔ میرا خیال ہے مزدور صرف تین ہی ہیں تم لوگ انہیں قابو کر لو گے نا؟" سب نے سر ہلا دیا۔

"میں اپنے گھر کی چھت پہ کھڑا رہوں گا وہاں سے انکل کے گھر کی پچھلی دیوار صاف نظر آتی ہے۔ اگر گھر میں کوئی گڑ بڑ ہوئی تو کاشف مجھے رومال ہلا کر دکھائے گا۔ میں موبائیل پولیس کو فون کر دوں گا۔" میں نے جلدی جلدی منصوبہ بتایا اور پھر اگلے ہی لمحے سب اپنے اپنے کام سرانجام دینے کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔

خالد انکل واپس آئے تو ان کے گھر کے آگے ایک ہجوم تھا۔ کافی پولیس نظر آ رہی تھی۔ اور تین آدمیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں جب خالد انکل کو تمام واقعات کا علم ہوا تو وہ بہت شرمندہ ہوئے اور ہم بچوں سے اپنے رویئے کی معافی مانگی اور اس دن کے بعد ان کی طبیعت میں نرمی اور ٹھہراؤ آ گیا اب پورے محلے میں سب سے خوش اخلاق وہی ہیں۔

شہد

ملک طارق محمود اعوان گولارچی

شہد کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ شہد ایک ایسی مٹھائی ہے جو آپ کے لئے قدرت نے بنائی ہے۔ شہد کی سال میں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ ایک موسم بہار میں اور دوسری موسم خزاں میں۔ شہد بیرونی ممالک سے بھی آتا ہے مگر پاکستان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ سوات، سرگودھا اور چھانگا مانگا کے جنگل سے کافی تعداد میں ملتا ہے۔ بیرونی ممالک میں اس کے بڑے بڑے فارم ہوتے ہیں پاکستان میں بھی بعض جگہوں پر فارم بنائے گئے ہیں۔

اعلیٰ صفات کا شہد وہ ہوتا ہے جو آزاد مکھی ہر قسم کے پھولوں اور پھلوں کے رس سے حاصل کرتی ہے۔ خالص شہد کا ذائقہ نفیس ہوتا ہے۔ اور یہ چینی کے شربت سے مختلف ہوتا ہے حکما اسے ہر ایک کو استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ شہد میں ہر مرض کی دوا ہے اور یہ بہت سی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ حضور پاکؐ شہد سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شہد جو شخص ہر ماہ تین دن صبح کے وقت چاٹے تو وہ صحت مند رہتا ہے۔ بے شک شہد ہر جسمانی مرض کے لئے شفا ہے۔

مرسلہ:
شہیر بن ضمیر

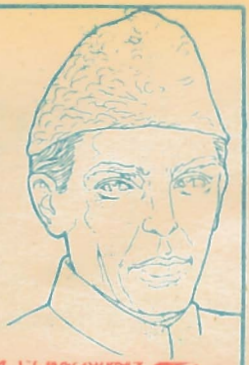

قوم کے قائد

پاکستان بنانے والے
قومی شان بڑھانے والے
قائد اعظم زندہ باد
قائد اعظم زندہ باد

عزت والے، شہرت والے
ہمت والے، عظمت والے
قائد اعظم زندہ باد
قائد اعظم زندہ باد

چاند ستارے والا پرچم
لہراتا ہے ہر سو، ہر دم
قائد اعظم زندہ باد
قائد اعظم زندہ باد

آزادی کے نغمے گھر گھر
خوشیاں اندر خوشیاں باہر
قائد اعظم زندہ باد
قائد اعظم زندہ باد

خوشبو

مرسلہ:۔ ممتاز الدین احمد، کراچی۔

حضرت شفیق بلخیؒ ایک مرتبہ ہارون رشید سے ملے تو بادشاہ نے عرض کیا۔ "حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔"

حضرت شفیقؒ نے فرمایا۔

"خدا تعالیٰ نے تجھے صدیق اکبر کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم صدیق راستی سے کام لو...... اور ......

اس نے تجھے فاروق اعظمؓ کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم حق و باطل میں فرق کرو۔۔ اور .... اس نے تجھے عثمان غنیؓ کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم شرم و حیا کو اپناؤ۔۔ اور ......

"اس نے تجھے علی المرتضیٰؓ کے مقام بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم عدل و انصاف سے کام لو۔"

ہارون رشید نے عرض کیا۔ "کچھ اور بھی فرمائیے۔" تو فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اور اس کا نام جہنم ہے اور تجھے اس کے دروازے پر بٹھایا ہے۔ اس لئے تاکہ تم لوگوں کو جہنم سے دور رکھو۔ اور اس سے دور رکھنے کے لئے خدا نے تجھے تین چیزیں دی ہیں۔ مال، درہ اور تلوار اور تجھے حکم دیا ہے کہ اے میرے بندے! لوگوں کو اس گھر سے ان تین چیزوں سے دور رکھو۔ جو محتاج آئے۔ اسے مال دے اور جو شریعت کی اتباع نہ کرے اسے درے کے ساتھ مطیع بنا اور جو ناحق قتل کرے اس کا تلوار کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

ہارون رشید نے کہا! "حضور کچھ اور بھی نصیحت کیجئے!" تو انہوں نے فرمایا۔

"اے بادشاہ تم دریا ہو اور تمہارے اعمال نہریں ہیں تم اگر صاف رہو گے تو نہریں بھی صاف رہیں گی اور دریا ہی اگر گندہ ہو گیا تو نہریں بھی گندی ہو جائیں گی۔"

تاروں والی فلم

محمد سیف الرحمٰن ڈوگر
لاہور

توصیف میاں کو جاسوسی فلمیں دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ گھر والوں سے چھپ چھپ کر جاسوسی فلمیں دیکھتے تھے۔ ایک دن ابو نے انہیں پکڑ لیا۔ اس دن توصیف کی خوب پٹائی ہوئی۔ جاسوسی فلموں کا بھوت اترا تو جن سوار ہوا اور توصیف اپنے آپ کو جاسوسی ۰۰۷ سمجھنے لگے۔ ایک دن ہیٹ اوڑھے، آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے نقلی بندوق چلانے کی کوشش میں مصروف تھے کہ ابو سامنے آگئے۔ رات کا وقت تھا کمرے میں اندھیرا بھی تھا۔ توصیف سمجھے کہ ان کا دوست راشد ہے اس لئے آگے بڑھ کر انہوں نے ابو کو دھکا دیا اور بندوق لہرا کر غرائے۔ "ہاتھ اوپر اُٹھا لو فوراً ورنہ گولی چلا دوں گا۔ تمہیں معلوم نہیں ایک سو ایک فلمیں دیکھی ہیں میں نے جیمز بونڈ کی۔ ۰۰۷ بنا دوں گا تمہیں۔"

"۰۰۷ تو میں تجھے بناؤں گا۔" ابو غصے سے دھاڑے اور پھر پیروں سے بھاری بھر کم جوتا اتار کر توصیف کی وہ مرمت کی کہ توصیف شکر کر...... جی نہیں سُدھر کر اچھے بچے بن گئے۔ وہ اب پابندی سے اسکول جاتے ہیں.....اور فلمیں دیکھنا بھی چھوڑ دی ہیں۔

اس دن کے بعد جب کہ ابو نے انہیں جوتوں سے تاروں والی فلم دکھائی تھی!!

یہ ہے زندگی

فرحان بن خالق، کراچی

- ز — زندہ دلی سے رہو۔
- ن — نصیحتوں پر عمل کرو۔
- گ — گمراہی کی طرف نہ جاؤ۔
- ی — یاد رکھو اپنے ماضی کو۔

حضورؐ نے فرمایا

عبدالماجد، حیدرآباد

○ حضرت جابرؓ نے نبیؐ سے روایت کی ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں تو اللہ اس کی موت کو آسان بنا دیتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ کمزوروں سے نرمی، والدین سے محبت و شفقت، غلاموں سے حسن سلوک۔

○ حضرت عبداللہؓ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور اصلی مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے۔

○ "آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے بات کرے، اس کا جواب مت دو، جب تک سلام نہ کرے۔"

جواہر پارے

○ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بہت نیکیوں کی ایک نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے اہل محبت سے تعلق جوڑے رکھے اور اس تعلق کو نبھائے۔ (صحیح مسلم)

مرسلہ...... صائمہ وکیل قریشی، کراچی۔

کام کی باتیں

طارق محمود، راولپنڈی

اچھے بچو پیارے بچو
چندا اور ستارے بچو
باتیں کام کی ہیں یہ سُن لو
پھول ہیں گویا، ان کو چُن لو
علم کی دولت حاصل کرنا
علم پہ جینا علم پہ مرنا
دل میں پھول کھلائے رکھنا
پورا چمن مہکائے رکھنا
تم سے مہکے اک اک گوشہ
تم سے چمکے نام وطن کا

جمعدار کیپٹن

عائشہ ریاض، اسلام آباد

ہم تین بہن بھئی ہیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ مجھ سے بڑے اسد بھائی ہیں اور ان سے بڑے عماد بھیا..... اسد بھائی اپنے آپ کو ذرا بڑا سمجھتے ہیں۔ آج کل وہ پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں اور نوکری کی تلاش میں ہیں۔ کئی جگہ سے آفر بھی آئی مگر ان کو پسند نہیں آئی۔ کل خلافِ معمول وہ جلدی اُٹھ گئے اور صبح ناشتے کے بعد اخبار کا مطالعہ کرنے لگے۔ جب میں ان کے کمرے میں گئی تو فرمانے لگے "عائشہ! نیوی میں ایک افسر کی جگہ خالی ہے۔ بس میں یہاں نوکری کروں گا۔" میں اخبار ان سے چھین کر عماد بھائی کے پاس لے آئی اور کہا "اسد بھائی کے خیالات تو دیکھئے۔" عماد بھائی نے اشتہار پڑھا تو ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے خیر جناب! ہم نے اسد بھائی کا انٹرویو لینے کا پروگرام بنایا۔ اسد بھائی سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

عماد بھائی نے پوچھا "سب سے اچھا جھاڑو کون سا ہوتا ہے۔" اسد بھائی ہکا بکا رہ گئے پھر بولے "ایسے فضول کام کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

اب بھیا نے دوسرا سوال پوچھا "فرش پر گیلا پھیرا لگانے کے لئے کس قسم کا کپڑا درکار ہوتا ہے؟"

اب تو اسد بھائی کو بہت غصہ آیا بولے "پتہ نہیں۔"

اب عماد بھائی نے کہا "تو آپ کو یہ بھی معلوم نہیں۔ "اچھا آخری سوال، کیڑے مکوڑے مارنے کے لئے کون سی دوائی موزوں ہوتی ہے؟"

اب تو اسد بھائی کا پارہ چڑھ گیا۔ غصے سے بولے "یہ آپ کس قسم کے سوالات کر رہے ہیں؟"

عماد بھائی نے کہا "کسی بھی سوال کا جواب تو آپ دے نہیں سکے۔ نوکری خاک کریں گے۔"

اگلے دن اسد بھائی نے نیا سوٹ پہنا۔ خوشبو لگائی اور موٹر سائیکل پر پھٹ پھٹ کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے وہاں کیا ہوا یہ تو ہمیں معلوم نہیں مگر جب اسد بھائی واپس آئے تو ان کا رنگ اڑا ہوا

تھا اور بار بار پسینہ پونچھ رہے تھے۔ ہم نے پوچھا تو بڑی مشکل سے انہوں نے بتایا "جب میں وہاں گیا تو وہاں لوگوں کی لمبی سی لائن لگی ہوئی تھی۔ لوگوں کے کپڑوں سے سخت بدبو آرہی تھی اور ان کے کپڑے توبہ توبہ! انتہائی گندے تھے۔ میں نے سوچا "اب تو نوکری صرف مجھے ہی ملے گی۔"

کافی دیر بعد میری باری آئی تو انٹرویو لینے والا شخص حیرانی سے بولا "آپ بھی یہ نوکری کریں گے؟"

میں نے کہا "کیوں نہیں!"

وہ حیرت سے بولا "سوچ لیں۔" میں نے کہا "سوچ لیا۔" اس نے پھر کہا کہ ایک مرتبہ پھر غور کر لیں تو تنگ آ کر میں نے کہا۔ "کیوں کیا میں نیوی میں کیپٹن نہیں بن سکتا؟"

وہ بولا "کیا کہا؟ کیپٹن! لگتا ہے آپ نے اشتہار غور سے نہیں پڑھا۔" یہ کہہ کر اس نے پاس پڑا ہوا اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ اب جو میں نے اشتہار غور سے پڑھا تو سٹی گم ہو گئی۔ وہ "کیپٹن" کا نہیں "جمعدار" کا اشتہار تھا۔ میں بہت شرمندہ ہوا اور فوراً وہاں سے بھاگا۔

اسد بھائی اب کبھی جب مجھے تنگ کرتے ہیں تو میں انہیں "جمعدار کیپٹن" کہتی ہوں۔ عماد بھائی بھی یہی کہہ کر چھیڑتے ہیں اور اسد بھائی یہ جملہ سننے کے بعد ہاتھ جوڑنے لگتے ہیں۔

دو ٹرو

محمد اصغر احمد خان، کراچی

دل تھے ان کے چھوٹے سے
دو مینڈک تھے موٹے سے
بڑی جھیل پہ جاتے تھے
کیڑے مکوڑے کھاتے تھے
ٹرو مینڈک نام تھا ان کا
ٹرٹرانا کام تھا ان کا
جھیل میں ایک دن آئی طغیانی
شور مچا کر چڑھ گیا پانی
ٹرٹرانا بھول گئے اب تو
دونوں ٹرو بھاگے گھر کو

ہوائی جہاز کی کہانی

ندیم حیدر رضوی

دنیا کا پہلا ہوائی جہاز رائٹ برادران نے ایجاد کیا تھا۔ ان کے اصل نام ولبر رائٹ اور اورویل رائٹ تھے۔ یہ دونوں بھائی غیر شادی شدہ تھے۔ دن بھر سائیکل کی دکان میں کام کرتے اور گھر آکر تجربات کرتے رہتے۔ انہوں نے ہوا کا نل بنایا، اور اس پر پرواز سے متعلق تجربات کرتے رہتے۔ انہوں نے کنٹرول کا ایسا نظام دریافت کر لیا جس کے ذریعے سے ہوا کا دباؤ مشین کے مختلف حصّوں پر بدلتا رہتا تھا اور اسے رجسٹر کرا لیا۔ انہوں نے آخر کار ایسا جہاز تیار کر لیا جس میں ابتدائی تخمینے کے خلاف ایک چوتھائی سے نصف تک قوت صرف ہوتی تھی۔ ان کا جہاز چار سلنڈر کا تھا۔ اس میں بارہ گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگایا گیا تھا جو پٹرول سے چلتا تھا۔ ایک مسافر کے وزن کو شامل کر کے جہاز کا کل وزن ساڑھے سات سو پونڈ ہو گیا تھا۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں یہ جہاز کٹی ہاک پہنچا۔ ۱۷ دسمبر کو اورویل رائٹ نے اس میں چار مرتبہ پرواز کی۔ جہاز قریباً ایک منٹ ہوا میں رہا اور صرف تیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے پرواز کر سکا۔ مگر آج کل کے ہوائی جہاز ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ ہوائی جہاز کی ایجاد نے سفر کو مختصر اور آرام دہ بنا دیا ہے۔

سوال، جواب

س ۔ کولمبس نے جس جہاز پر امریکہ دریافت کیا اس کا نام کیا تھا؟

جواب ۔ سانتا ماریا۔

۲ ۔ پاکستان میں سب سے پہلے کس اسلامی مملکت کا سفارتخانہ قائم ہوا؟

جواب ۔ مصر کا 19 اکتوبر 1947ء کو۔

س ۔ ایشیا کا دل کس ملک کو کہتے ہیں؟

جواب ۔ ملائشیا کو۔

س ۔ حبیب بینک لمیٹڈ کا قیام کب عمل میں آیا؟

جواب ۔ 25 اگست 1941ء ۔

س ۔ "پشتو ادب کا باوا آدم" کسے کہا جاتا ہے؟

جواب ۔ خوشحال خان خٹک کو۔

س ۔ حروف تہجی کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی زبان کمبوڈیا کی زبان "ردتوکاس" ہے۔ کیا آپ اس کے حروف تہجی کی تعداد بتا سکتے ہیں؟

جواب ۔ 74 ۔

س ۔ ہم دوربین استعمال کئے بغیر چھ سیارے دیکھ سکتے ہیں جن میں سے پانچ یہ ہیں عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، اور زحل۔ کیا آپ چھٹے سیارے کا نام بتا سکتے ہیں؟

جواب ۔ زمین ۔

س ۔ امریکہ کی خلائی تحقیقات کا ادارہ "ناسا" کب قائم ہوا؟

جواب ۔ 1958ء میں ۔

س ۔ اولمپک گیمز کا نصب العین "تیز تر، بلند تر، مضبوط تر" کس شخص کی تخلیق ہے؟

جواب ۔ فرانس کے ایک کالج کے استاد "فارڈیڈن" کی۔

س ۔ بلحاظ ترتیب U.N.O میں پاکستان کا رکنیت نمبر کیا ہے؟

جواب ۔ 56 واں۔

س ۔ چین کا قومی پھول کونسا ہے؟

جواب ۔ نرگس۔

س ۔ "دنیا کا پہلا عجوبہ" کس عجوبے کو کہتے ہیں؟

جواب ۔ اہرام مصر کو۔

س ۔ کس پرچم پر دنیا کا نقشہ بنا ہوا ہے؟

جواب ۔ اقوام متحدہ کے پرچم پر۔

مرسلہ: اسما تھانوی، کراچی

آٹوگراف

وسیم بن ضمیر، کراچی

○ ۔ یہ صرف اوروں کی آنکھوں کی بدولت ہے کہ ہم اپنے عیب دیکھ سکتے ہیں۔

○ ۔ سستی چیزیں اچھی نہیں ہوتی اور اچھی چیزیں سستی نہیں ہوتیں۔

○ ۔ اچھے دوست حساب چکانے میں جلدی کرتے ہیں۔

محمد عمیر عالم خان، کراچی

○ ۔ جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔

○ ۔ اللہ سے ڈرو تاکہ دوسروں کا خوف نہ رہے۔

○ ۔ تنہائی میں اللہ کو محبوب رکھو۔

..... قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ (حضرت محمدؐ)

..... اپنی ضرورتوں کو کم کرو گے تو راحت پاؤ گے۔ (اویس قرنیؓ)

..... زمانہ کتابوں سے بہتر معلم ہے۔ (حافظ شیرازیؒ)

مرسلہ۔ افشاں بشیر کراچی۔

فہد احمد شہزاد، کندھ کوٹ

○ ۔ پہاڑ پر چڑھنے کے لئے آہستہ چلنا پڑتا ہے۔ (شیکسپیئر)

○ ۔ ہماری سب سے بڑی خوبی کبھی نہ گرنے میں نہیں بلکہ گر کر اٹھنے میں ہے اور یہی کامیابی کا راز ہے۔ (گولڈ اسمتھ)

○ ۔ اگر کسی مرنے والے کا مشن زندہ ہے تو وہ بھی اپنے مشن کی طرح زندہ و جاوید ہو گا۔ (جارج برنارڈ شاہ)

محمد ریحان، کراچی

○ ۔ جنوری ۱۹۷۶ء میں مشہور ناول و ڈرامہ نگار اگاتھا کرسٹی کا انتقال ہوا۔

○ ۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں ہاکی کے مشہور کھلاڑی اختر رسول پیدا ہوئے۔

○ ۔ جنوری ۱۹۲۴ء میں ونٹر اولمپک کا آغاز ہوا۔

○ ۔ جنوری ۱۹۵۰ء میں بھارت جمہوریہ بنا۔

اللہ یہاں ہے

عمران سہیل بوبی، اوکاڑہ

ایک امیر شخص اللہ کی ہستی کا اتنا منکر ہوا کہ اس نے دیوان خانے میں موٹے موٹے حروف میں یہ فقرہ لکھوادیا: GOD IS NO WHERE.

یعنی "اللہ کہیں نہیں ہے۔" ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا تو ایک دوست اس کی عیادت کو آیا دوست کے ساتھ ایک بچّہ بھی تھا۔ بچّے نے جب وہ فقرہ دیکھا تو بلند آواز کے ساتھ اس طرح پڑھا۔

GOD IS NOW HERE

یعنی "اللہ یہاں ہے۔" یہ سن کر امیر شخص چونکا۔ اس نے سوچا جو فقرہ میں نے اللہ کا انکار کرنے کے لئے لکھا تھا اسی فقرے سے اللہ تعالیٰ نے ایک بچّے کی زبان سے اپنے وجود کا احساس دلا دیا ہے۔ یقیناً اللہ کا وجود ہے۔

پھر اس نے فقرہ کاٹ دیا اور اپنی غلط حرکت سے تائب ہو گیا۔

راشد عبدالرفیق

ممالک	قومی پھول
پاکستان	چنبیلی
جاپان	چیری
برطانیہ	گلاب
نیدرلینڈ	گلِ لالہ
آسٹریلیا	جنگلی بیلا
بنگلہ دیش	گلابی پھول

جواہر پارے

مرسلہ ...... اظہر خان، کراچی۔

- غلامی سے موت بہتر ہے۔
- اپنی غلطی پہ نادم ہونا دانائی ہے۔
- مصیبت پر صبر کرنا عبادت ہے۔
- خوفِ خدا دانائی کی بنیاد ہے۔

سائنس کارنر

رضوان حسین نقوی، کراچی

کیا پودوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے؟

جب ہمارے جسم کے کسی حصے پر چوٹ لگتی ہے تو اعصاب کے ذریعے دماغ کو اس کی خبر ہو جاتی ہے اور ہم فوراً ہی درد محسوس کرتے ہیں بعض سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ پودوں میں بھی جان ہوتی ہے لیکن ان کا دماغ نہیں ہوتا نہ ہی اعصاب ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ہم انہیں کاٹتے ہیں تو انہیں درد محسوس نہیں ہوتا ہے۔

ٹیٹو کی برساتی

شبّیر بیگ نازؔ

میرے گھر کی چھت کے اوپر چھوٹی سی برساتی ہے
سارے کمروں میں وہ مجھ کو سب سے زیادہ بھاتی ہے

تپتے موسم میں گرمی کے، چھت پر جب ہم سوتے ہیں
ٹھنڈے جھونکے آتے ہیں اور سپنوں میں ہم کھوتے ہیں

چھوٹی سی اس برساتی میں پنکھا بھی اک رکھا ہے
کرسی ایک پڑی ہے اس میں، صوفہ بھی اک رکھا ہے

شب کو بارش آجائے تو فوراً اس میں آتے ہیں
چھم چھم گرتے مینہ کے قطرے خوب دلوں کو بھاتے ہیں

برساتی سے کرتا ہوں جب بارش کا میں نظارہ
کرتا ہوں تعریف اسی کی جس نے بخشا گھر پیارا

آخری بات

محمد عظیم قریشی، اسلام آباد

ڈر اور خوف سے دنیا کا ہر انسان واقف ہے۔ دنیا کا کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہو گا جسے ڈر نہ لگتا ہو۔ بچّوں کو تو ڈر لگتا ہی ہے مگر ڈر لگنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ کہ ڈر ایک قدرتی جذبہ ہے جو انسان کو اپنی جان بچانے اور زندگی محفوظ رکھنے کے لئے عطا کیا گیا ہے۔ ڈر کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ بعض بچّے اور بڑے زیادہ ڈرپوک ہوتے ہیں۔

ڈر کا جذبہ انسانوں کے علاوہ حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے، پرندوں میں بھی اور بحری مخلوق میں بھی۔ انسان سانپ سے خوف کھاتا ہے، خونخوار جانوروں سے بچتا ہے، گہرے پانی سے ڈرتا ہے کہ کہیں ڈوب نہ جائے، چلتی ہوئی گاڑی سے کودنا نہیں چاہتا وغیرہ وغیرہ۔ جانوروں میں بھی یہ جذبہ ظاہر ہے۔ ہرنوں کا غول شہر سے دور بھاگتا ہے، بلّی کتّے کی آواز سن کر کانپ جاتی ہے، چڑیا عقاب سے بچتی ہے چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی سے خوف کھاتی ہے اور اس سے بچ نکلتی ہے۔

خوف ہماری زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کا ہمارے دماغ اور ذہن سے گہرا تعلق ہے۔ جیسے ہی ہم کوئی خطرناک چیز دیکھتے ہیں تو دماغ کو یکدم خبر ہو جاتی ہے اور وہ ہمیں اس سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے۔ زیادہ خطرہ ہو تو ہمارے حواس خراب ہو جاتے ہیں۔

دماغ ٹانگوں کو بھاگنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے خون کی گردش متاثر ہوتی ہے، دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔ پسینہ آجاتا ہے، سانس تیز ہو جاتی ہے، حلق میں کانٹے پڑ جاتے ہیں اور منہ سے چیخ تک نکل جاتی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض بچّے اور پھر یہی بچّے بڑے ہو کر دوسروں کے مقابلے میں کم یا زیادہ ڈرپوک کیوں ہوتے ہیں تو اس بات کا تعلق بچّوں کی تربیت سے ہوتا ہے اور والدین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ بچّوں کو بات بات پر نہ ڈرائیں بلکہ ان میں بے خوفی اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کریں۔

بہادر اور جیالے
کوئس کے متوالے
CITY SEWER
واہ! مزا آگیا.
پیارے دوستو!
ننجا ٹرٹلز کا ایک اور کارنامہ
کوئس کی مزیدار SOFT DRINKS
آپ کے پسندیدہ ننجا ٹرٹلز آپ کے لئے چار مزیدار
اور لاجواب ذائقے لائے ہیں
اورنج کولا آئس کریم سوڈا
NON-RETURNABLE بوتلوں میں
نہ DEPOSIT کا جھگڑا،
نہ بوتل واپس کرنے کی زحمت
گڑیا، پپو، امی، ابو، سب کی پسند
QUICE
QUICE ORANGE
QUICE
QUICE LYCHEE
کوئس® بہترین

REGD. No M-266 JULY 1994
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

REAL

Delicious Potato Chips

LASER DOT